لندن سے شائع ہونے والا میدانِ ادب کا واحد کثیر الاشاعت بین الاقوامی اردو میگزین

लंदन से सबसे अधिक प्रकाशित होने वाला उर्दू अदब का मात्र अंतरराष्ट्रीय मैगज़ीन

An International Literary Urdu Magazine Globally Circulated

ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ: 126 جون 2023ء

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL

103 Peterborough Road Carshalton SM5 1EE London

(M) 0044-7886-304637 (R) 02086482560

www.qindeel-e-adub.co.uk, ranarazzaq52@gmail.com

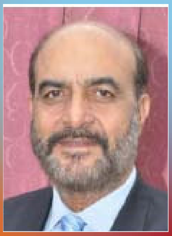

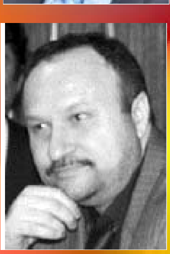

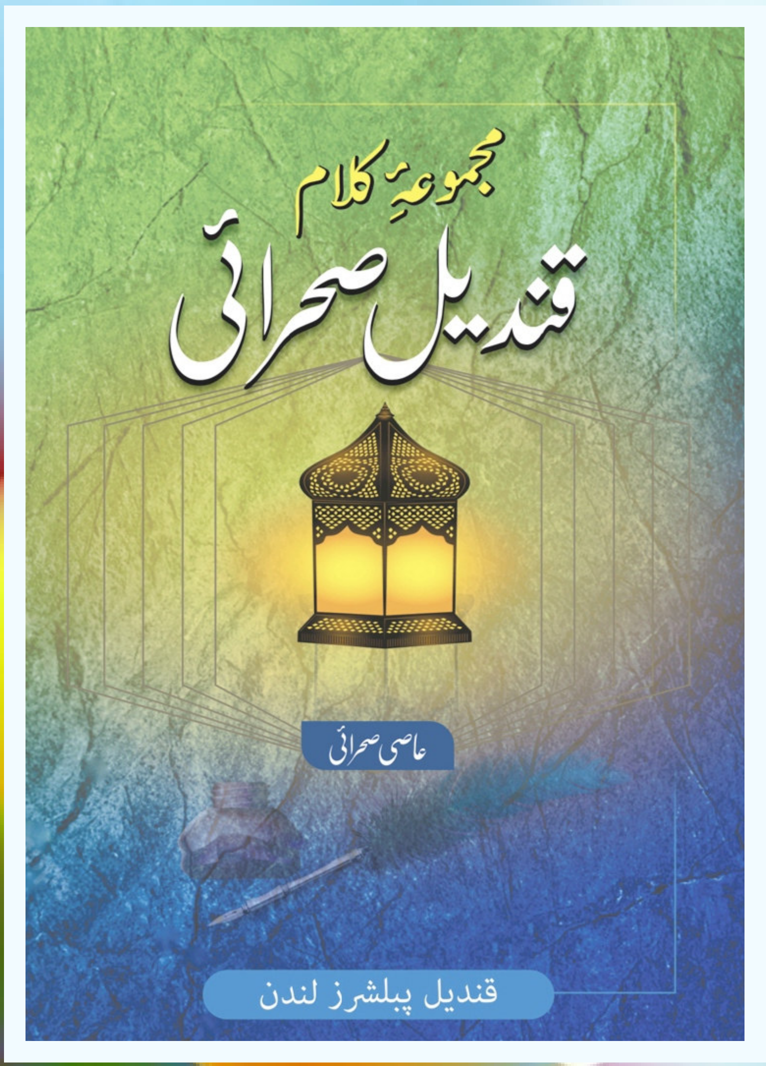

رانا عبدالرزاق خان صاحب (عاصی صحرائی) کا قلمی شاہکار ''قندیل صحرائی''

Earlsfield Properties

Professional Residential Property Management Services

We will manage your property at 0% commission
Guaranteed
Rent Schemes for 3 & 5 years.

Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.

Get it Right

- ✔ Member National Landlord Association
- ✔ Member Deposit Portection Schemes
- ✔ Member The Property Ombudsman Scheme
- ✔ Winner of Pakistan Achievement Award 2014 (Excellence Management)
- ✔ Vastly Experience in Housing Benefits Clients.

PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)

175 Merton Road, London SW18 5EF

Tel: 02082656000   02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

مجلسِ ادارت

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

آدم چغتائی مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

نائب مدیر: مبشر شہزاد، گلاسگو

اراکین ادارتی بورڈ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔ امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا، عبدالقدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

تمام دوستوں سے التماس ہے کہ اپنی شعری و نثری تخلیقات اور ادبی پروگرامز کی رپورٹیں وغیرہ برائے اشاعت بصورت ''اِن پیج اردو'' فائلز مع تصاویر ای میل سے روانہ فرمائیں۔ '' قندیل ادب انٹرنیشنل'' بیسیوں ممالک میں لاکھوں اردو قارئین کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔ میگزین کے مندرجات پر آپ کی رائے یا مختصر تبصرے ہمیں اپنا محاسبہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مضامین کے ساتھ ضروری حوالہ جات آپ کے مضامین کی افادیت کو بڑھاتے ہیں۔ آپ کی بھیجی ہوئی تمام تصاویر وغیرہ ''کاپی رائٹ فری'' ہونی چاہئیں۔ شکریہ

IMPORTANT ANNOUNCEMENT

"Qindeel-e-Adab International" magazine is a non-commercial and non-profit e-product, as well as on paper, internationally distributed free of cost for the promotion of bi-lingual poetry, fiction, informative multi purpose interesting articles etc in Urdu alphabet in the UK and Europe under the sole ownership of its Chief Editor Abdul Razzaq Khan of the address as stated elsewhere within this magazine for delivery of documents.

The magazine and the contents herein DO NOT relate to a political, religious or a social group whatsoever. The Editor does not necessarily agree with the opinions expressed by the article writers, poets etc..

Although the e-magazine is FREE OF COST to all, yet for ON PAPER copies of the magazine we do expect a reasonable amount of donation to cover the costs of printing, postage and packing for all countries as stated Chief Editor

فہرست مضامین

غزلیات: عاصی صحرائی، محمود حسن تاباں، منیرہ منیر، عبدالحمید عدم، اختر چیمہ، عجب سائل کوئٹہ، پروین شاکر، ماہم حیا صفدر، حمزہ ارشد، احمد عطاء اللہ، ڈاکٹر منور احمد کنڈے، شاہد سلیم لاہور، منیر باجوہ، شیخ محمد اظہر ملائیشیا، ستار فیضی آندھرا۔ ارشاد عاطف احمد آباد، سلطان صابری، مبارک احمد مبارک، اقبال مجیدی، آدم چغتائی، سہیل احمد لون، ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ، ڈاکٹر نعیم اشرف، ارشد لطیف، مبشر شہزاد، اسحاق ساجد، سلیم فگار، عطاء الرحمن سعودی، طاہر عدیم، عبدالقدیر کوکب، طفیل عامر۔ آفتاب شاہ		4 تا 12
بھٹو کی پھانسی بنتی تھی	حیدر جاوید سید	13
نذرانہ عقیدت عبداللہ علیم صاحب	مبشر شہزاد گلاسگو	14
پاکستان بننے کے بعد پہلی ایف آئی آر	ادارہ	15
غرق خود اپنے لہو میں آفتاب شام ہے	عرفان احمد خان	16
ہماری قوم کی اصلیت	اسماعیل بدایونی	18
مشہور ڈرامہ نگار۔ اصغر ندیم سید	ادارہ	18
مستنصر حسین تارڑ کی ایک دلچسپ تحریر	ادارہ	21
صلہ رحمی	رجل خوشاب	22
اردو ادب کی مشہور و معروف کنواریاں	جبیں نازاں نئی دہلی	24
ایک شاعرہ ادیبہ، سماجی کارکن، ماہر نفسیات	ادارہ	27
جستہ جستہ	عطاء القادر طاہر	28
غیر نصابی کتب	مبشر شہزاد۔ گلاسگو سکاٹ لینڈ	29
حقوق العباد	رجل خوشاب	31
چوبیس گھنٹوں کی کہانی	سرمد خان پشاور	32
جہانِ رنگ کراچی اور بزم علم و ادب گلاسگو	مبشر شہزاد۔ گلاسگو	33
مجموعہ کلام ''قندیل صحرائی'' پر تبصرے	ادارہ	37
آفتاب شاہ	آفتاب شاہ	40
پیرس میں پاکستانی کمیونٹی کے ساتھ عید ملن	ممتاز ملک۔ پیرس۔ فرانس	42

***

اعلان

ماہانہ قندیل ادب انٹرنیشنل میگزین کا سالانہ چندہ 25 برطانوی پونڈ ہے۔ اگر کسی کو گھر پر بذریعہ ڈاک ارسال کرنا پڑے تو 35 پونڈ سالانہ ہے۔ نیچے دیئے گئے اکاؤنٹ میں سالانہ چندہ کی ادائیگی فرمائیں۔ جزاکم اللہ

رانا عبدالرزاق خان لندن

HSBC London UK,

A/C 04726979 Sort Code 400500

(M) 0044-788-304637, (R) 02086482560

غزلیات

حمدِ باری تعالیٰ

عاصی صحرائی

دم دم کروں میں حمدیں تیری، تُو نے دئے ہیں لب
کیسے شکر ادا ہو تیرا مخلوقات کے رب
خاک بھی تیری، بیج بھی تیرے، سارے تیرے پھل
بِن تیرے اِن سب کھیتوں کا، کون ہے اور سبب!
سانس بھی حمد ہے کرتی تیری، خون میں حمد رواں
جسم کا میرے روم روم بھی بھولا تجھ کو کب!
آنکھوں میں ہے نیند بھی تیری، تیرے حکم سے جاگوں
اُجلی اُجلی صُبحیں تیری، تیری ہی ہر شب
خطا سے اپنی ہو جاتا ہے جب بندہ مغموم
دل میں اُس کے میرے مولیٰ تُو ہی بھرے طَرَب
اِنسانوں کی سنے دعا ہر سنّت ہے اعلیٰ
اِذن سے تیرے انسانوں کے بدلے دیکھے ڈھب
شکر ہے تیرا نام عاصؔی کا رکھا تُو نے بلند
تیرے رحم کرم سے اللہ میرا نام و نَسَب

نعت رسول مقبول

محمود حسن تاباں

کوئی نہ مانے مگر حقیقت ہے
ان سے میرا بھرم ہے عزت ہے
بخدا وہ خدا نہیں لیکن
ان کی چاہت میری عبادت ہے
مجھ کو عشق نبی میں جینے دو
یہ میری روح کی ضرورت ہے
چاہتے ہو اگر رضا ربّ کی
شرط بس آپ کی اطاعت ہے
کیا بگاڑے گی گردشِ دوراں
مجھ پہ سرکار کی عنایت ہے
یا نبی آپ ہیں میرا حاصل
آپ سے ہی غرض و غایت ہے
اپنی زلفوں کے سائے میں لیکر
کہ دیا جا تجھے شفاعت ہے
عزو جاہ و شرف کے طالب کو
دامن مصطفےٰ میں راحت ہے
نعت خوانی شعار ہے میرا
نعت گوئی کی مجھ کو عادت ہے
کیسے بھولوں وہ چہرہ ُ زیبا
ایسی حاصل مجھے سعادت ہے
ان سے وابستگی میری تاباں
روزِ محشر تلک کفایت ہے

سجود وقیام کرنا

منیرہ منیر

خالق کی خدائی کا سدا تم احترام کرنا
کہہ کر عید مبارک، بڑوں کو سلام کرنا
سفر میں آئے وقتِ نماز جہاں کہیں بھی
دلی لگن سے واں سجود و قیام کرنا
تلاشِ معاش میں گھومو! جہاں جہاں بھی
اپنے ہی گھر آکر تم اپنی شام کرنا
بڑھ جائے کبھی زیست میں جب تِشنہ لبی
میکدۂ ساقی میں ہی طلب جام کرنا
مجروح ہو عزتِ نفس جہاں کہیں بھی
تم ایسا کوئی زمانے میں نہ کام کرنا
کارِ زیست میں ہو جاؤ گر تھکن سے چُور
دو گھڑی گھنے شجر تلے تم آرام کرنا
دعوتِ طرب و نشاط پاؤ جو کسی سے
مٹانے کو تِشنگی نہ واں خرام کرنا
کرتے تھے جو صوم وصلواۃ ماہِ صیام میں
ایسی ہی روز اپنی صبح و شام کرنا
ملا تھا جو درس اپنے اسلاف سے تمہیں
اس درسِ شرافت کو سرِ عام کرنا
بنایا ہے خدا نے آدم زاد کو آزاد پنچھی
زندگی میں کبھی نہ کسی کو غلام کرنا
شبِ تیرگی ہورہی ہے منیرہ طویل تر کیوں؟
نوکِ قلم سے اس قصّے کو تمام کرنا

منیرہ منیر

رُخِ یار دیکھو تم

آئینۂ دل میں رُخِ یار دیکھو تم
چشمِ سحر سے اظہار دیکھو تم
مچاتا ہے سوچوں میں جو ہلچل
بنِا پیئے وہ خمار دیکھو تم
بڑھاتا ہے درد و الم میں حوصلہ
روشن چہرے کا نکھار دیکھو تم
وِرد ہے نوکِ زباں درود اُس کے
محبوبِ خدا سے اُسکا پیار دیکھو تم (ص)
مسکراتا ہے دُکھوں میں بھی وہ
لہجہ شیریں و خوشگوار دیکھو تم
چھو نہ پائے کبھی گردشِ زمانہ

"ایسی عیدیں ہزار دیکھو تم"
نغمگی بھری ہے فضائے چمن میں
زندگی میں وہ مہکار دیکھو تم
عصرِ حاضر میں ہے خدا جس کیساتھ
اس پہ منیرہ ہر جاں نثار دیکھو تم

عبدالحمید عدم

مرا اخلاص بھی اک وجہ دل آزاری ہے
بندہ پرور مجھے احساس گنہ گاری ہے
آپ اذیت کا بناتے ہیں جو خوگر مجھ کو
اس سے بہتر بھلا کیا صورت غم خواری ہے
محض تسکین براری کے بہانے ہیں سب
میں تو کہتا ہوں محبت بھی ریاکاری ہے
مشق کرتا ہے نصیحت کی جن ایام میں تو
واعظ شہر وہی موسم مے خواری ہے
کیسے آئے گا نہ سر درد کو آرام عدمؔ
میرے احباب کو تقریر کی بیماری ہے

عجائبات

اختر چیمہ-سیالکوٹ

تعمیر ملک و قوم کا یارا نہ کر سکے
وہ گل کھلائے جن کا ازالہ نہ کر سکے
ہر پل منافقانہ سیاست رہی عزیز
بیداریٔ ضمیر گوارا نہ کر سکے
وعدہ رفاہ عامہ کا مفقود ہوگیا
ذاتی مفاد منزل مقصود ہوگیا
دنیا کمندیں ڈالتی جاتی ہے چرخ پر
ہم کچھ تمیز ادنیٰ و اعلیٰ نہ کر سکے
بے جا انا کے خول میں سمٹے رہے سدا
علم و ہنر کی شان دوبالا نہ کر سکے
آئین خسروی کا کچھ ادراک چاہیے
ذہن رسا و قامت افلاک چاہیے
اس بد نصیب قوم کو وہ رہنما ملے
جو پاسداریٔ لب گویا نہ کر سکے
محدود جن کی فکر و نظر کی بساط تھی
وہ سر زمین پاک کو اُجلا نہ کر سکے
نسبت کسی کو قائد و اقبال سے نہیں
ہمسر ہوئے ہیں ذرے بھی خورشید کے کہیں
بے جا تعصّبات میں کھوئے رہے سدا
روشن چراغ رُشد و ہدایت نہ کر سکے
ملت کو دے سکے نہ اُخوت کا درسِ حق
خلقِ نبی کی زندہ روایت نہ کر سکے
کیا کیا بنامِ مذہب و ملت ستم ہوا
کیا کیا نہ باب ظلم تھا جو کہ رقم ہوا
یونہی نہیں ہے طوق ملامت پڑا ہوا
بر وقت کوئی فیصلہ اچھا نہ کر سکے
لعنت ہے ایسے فیصلہ سازوں کی سوچ پر
گھر پھونک کے بھی جو کہ اُجالا نہ کر سکے
ناسور پالنے کا اب انجام دیکھئے
دھرتی لہو لہو ہے بہر گام دیکھئے
ہے عہد نارسائی مقدر بنا ہوا
محروم ہو گئے ہیں ہر اک آن بان سے
ہر روز بے گناہوں کا بہتا رہا لہو
رحمت برستی کیسے بھلا آسمان سے
کیا کیا چراغ علم وفراست کے بجھ گئے
چپ چاپ ہم تماشا مگر دیکھتے رہے
روزِ ازل سے اپنا سفینہ بھنور میں ہے
اب تک کوئی نجات کا ساحل نہیں ملا
حسرت نوید منزلِ مقصود کی رہی
دل کے چمن کا کوئی بھی غنچہ نہیں کھلا
اچھے دنوں کی آس میں مدت گزر گئی
بستی خیال و خواب کی یونہی اُجڑ گئی
سارے جہاں کے ہم ہیں مسیحا بنے ہوئے
اپنے دُکھوں کا جب کہ مداوا نہ کر سکے
باطل تصورات میں اُلجھے رہے سدا
ہم کوئی انقلاب بھی برپا نہ کر سکے
ایسے تہی ضمیر سے ہر فرد ہو گیا
احساس شرم عرقِ ندامت بھی کھو گیا
بے رحم احتساب کا ڈالے گا ڈول کون؟
ننگی ہے اس حمام میں اشرافیہ تمام
رسیا ہے عیش کی تو مفادات کی اسیر
بے کس وطن میں عدل کا عنقا ہے انصرام
روشن ضمیر کوئی اگر رہنما ملے
ملت کا چاک چاک گریباں جبھی سلے
اک ہولناک ظلمتِ پیہم کے باوجود
کچھ اہتمام جشنِ چراغاں نہ کر سکے
دُھندلا گئے ہیں اوج ثریا کے سارے خواب
ہم کوئی کارہائے نمایاں نہ کر سکے
جب تک نہ آگہی کا اُجالا نصیب ہو
کیسے طلوعِ صبح تمنا قریب ہو
سب اہلِ اختیار ہی مجرم وطن کے ہیں
جن کی انا سے گلشن ملت ہوا تباہ
جو رہ سکے نہ اپنی حدود و قیود میں
آئین سے کسی نے بھی رکھی نہ رسم و راہ
باہم رہے ہیں دست وگریباں کہ الاماں
اس کشمکش میں ہو گیا برباد گلستاں
احوال چیرہ دستیٔ اہل ہوس نہ پوچھ

فصل فساد و فتنہ بہر گام ہے بہت
اے کاش! کوئی سیلِ حوادث کو روک دے
ارضِ وطن پہ یورش آلام ہے بہت
ایسا سحاب رحمت پروردگار ہو
فصل بہار اور گلوں پر نکھار ہو

عجب سائل کوئٹہ

اس کی ہر بات زمانے کو بتادوں گا کبھی
اس کے چہرے سے حسیں راز ہٹادوں گا کبھی
جیسے تڑپایا میرے دل کو کسی دل کی قسم
ایسی تنہائی کو اک روز سزا دوں گا کبھی
اس نے الزام لگایا ھے وفادار نہیں
اس تکبر کو زمانے میں جھکا دوں گا کبھی
ہجر کا غم شبِ تنہائی بلا کی یادیں
ایسے غم خانے کو اک روز جلا دوں گا کبھی
میں تو سائل ھوں اٹھا کر کوئی خالی کشکول
ایک انجانی سی چوکھٹ پہ صدا دوں گا کبھی

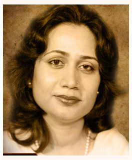

پروین شاکر

پھر مرے شہر سے گزرا ہے وہ بادل کی طرح
دست گل پھیلا ہُوا ہے مرے آنچل کی طرح
کہہ رہا ہے کسی موسم کی کہانی اب تک
جسم برسات میں بھیگے ہُوئے جنگل کی طرح
اُونچی آواز میں اُس نے تو کبھی بات نہ کی
خفگیوں میں بھی وہ لہجہ رہا کومل کی طرح
مِل کے اُس شخص سے میں لاکھ خموشی سے چلوں
بول اُٹھتی ہے نظر، پاؤں کی چھاگل کی طرح
پاس جب تک وہ رہے، درد تھما رہتا ہے
پھیلتا جاتا ہے پھر آنکھ کے کاجل کی طرح
اَب کسی طور سے گھر جانے کی صُورت ہی نہیں
راستے میرے لیے ہوگئے دلدل کی طرح
جسم کے تیرہ و آسیب زدہ مندر میں
دل سرِ شام سُلگ اُٹھتا ہے صندل کی طرح

نعت - ماہم حیا صفدر

دو جگ کے تاجور ہیں، ہے تاج انؐ کے سر پر
جھکتا ہے کل جہاں میرے مصطفیٰ ؐ کے در پر
ہر ایک اُمتی کا چہرہ ہے یاد اِس کو
قربان میرے آقا میں آپ ؐکی نظر پر
تطہیر کی ردا میں لپٹے ہوئے مکیں ہیں
میں وار دوں متاعِ ہستی انہیؐ کے گھر پر
ہے نور کا لبادہ، کامل بشر کا حلیہ
اُس نور پر فدا میں، قرباں میں اُس بشر پر
ہیں دل نشیں نظارے، پرنور ہر سماں ہے
میں باغِ ہشت واروں سرکارؐ کے نگر پر
فطرت کے یہ مظاہر انؐ کے گواہ بھی ہیں
ہے نقش معجزہ انؐ کا سینۂ قمر پر
میں اک گدا ہوں میری خواہش ہے بس حیاؔ یہ
میری حیات ساری گزرے یہ انؐ کے در پر
کبھی صیاد کا کھٹکا ہے کبھی خوفِ خزاں
بلبل اب جان ہتھیلی پہ لئے بیٹھی ہے

ڈاکٹر منور احمد کنڈے

”اک زخم تھا خزاں میں گلِ تر بنا ہوا“
نفرت نے ڈھا دیا ہے وہ گھر بنا ہوا
تھا دل ہمارا عشق کا دفتر بنا ہوا
گھر سے مٹا سکا نہ اندھیرے ابھی تلک
غیروں میں جو ہے ماہِ منور بنا ہوا
رنگِ جہاں سے اُس کو کوئی واسطہ نہیں
یہ دل مرا ہے مثلِ قلندر بنا ہوا
اِس دھوپ کے سفر سے پریشاں نہیں ہوں میں
احساس اُس کا سر پہ ہے چادر بنا ہوا
اُس کے سبب سے ملتی رہی تازگی ہمیں
”اک زخم تھا خزاں میں گلِ تر بنا ہوا“
مدت ہوئی شہادتِ شبیر کو مگر
آنکھوں میں اب بھی خوں کا ہے منظر بنا ہوا
صدیاں ہوئیں کہ اُس سے منوّر ملے نہیں
ہے اُس سے پھر بھی ربط برابر بنا ہوا

حمزہ ارشد

انھا تے بس سوٹی منگے
پہاڑاں دے وچ چوٹی منگے؟
دل دے نال جو کھیڈدا سی او
کھیڈن لئی ہن گوٹی منگے
تپلے لیڑے کوئی نئیں جس دے
گرمی دے وچ کوٹی منگے
ربا رحمت کر دے اس تے
جے کوئی قسمت کھوٹی منگے
عیش و عشرت چلیے پانی
جیہڑا اکو روٹی منگے

احمد عطاءاللہ

اگا دکّا لوگ سیانے ہوتے تھے
کسی کسی کے گھر میں دانے ہوتے تھے

سو تک گنتی کسی کسی کو آتی تھی
ایک روپے میں سولہ آنے ہوتے تھے
گاؤں میں بس ایک ہی مسجد ہوتی تھی
ہردل میں بس چار ہی خانے ہوتے تھے
جھوٹی قسمیں شہر میں تھیں اور گاؤں میں
بس تکیے پر پھول بنانے ہوتے تھے
گمراہوں کو راہ پہ لانا آساں تھا
بس منڈیر پہ دیئے جلانے ہوتے تھے
چل جاتے تھے جادو ٹونے اور تعویذ
سادہ لوگ اور سچے زمانے ہوتے تھے

شاہد سلیم لاہور

لب مقفل ہوئے تو جنوں بولتا رہا
مقتل کی رونقوں میں خُوں بولتا رہا
تہہ در تہہ گرد، تھی یادوں پہ جمی
تیرگی میں پھر کسی کا فسوں بولتا رہا
عیاں بازگشتِ جفا رہی اُس کے چہرے پر
اور شرمساری میں سرِ نگوں بولتا رہا
کون نہیں واقف اُسکی کی رفتارِ گفتگو سے
سوالِ وفا پر مگر جُوں کا تُوں بولتا رہا
وہ طرزِ تماشا بھی تھی اِک قسمِ عجیب
کرب لہجے میں کوئی جانبِ گردُوں بولتا رہا
شاہدؔ لوگ زیبِ تن ہیں پتھر کے پیرہن
میں آہوں کی سرگم میں کیوں بولتا رہا

عید کے اشعار
اختر چیمہ

دکھ مرا دے کے مبارک نہ بڑھائیں جاناں
ہم ترے ہجر میں کیا عید منائیں جاناں
ملے بغیر بھی تسکین کچھ تو ہو جائے
لباس عید میں تصویر بھیج دے کوئی
ہلال عید کی ہر شخص کو خوشی ہوگی
ہماری عید تو ہو گی تمہاری دید کے ساتھ
چاند جب تک نہیں دیدار کرانے والا
دل ناداں بھی نہیں عید منانے والا
جس گھڑی اس کی دید ہو جائے
ہم فقیروں کی عید ہو جائے
عید سے کم تو نہیں پہلی ملاقات کا دن
جشن ہر سال محبت کا منایا جائے
اس کی چاہت کا کیا بھروسا ہے
عید کے دن بھی جس نے کال نہ کی
چین لینے نہ دیا گردش دوراں نے کبھی
ہم نے ہر عید منائی ہے محرم کی طرح
جو محبت کی شریعت پہ یقیں رکھتے ہیں
چاند کو دیکھ کے وہ عید منا لیتے ہیں
ہمارا عشق کا روزہ ہے جاناں
ترے دیدار سے افطار ہوگا
چاند جب تک نہ لب بام نظر آئے گا
کب بھلا عید منانے کا مزہ آئے گا

پیسے کے مختلف نام ہیں جیسے

عبادت گاہ میں دیا جائے تو ''چندہ''
مزار کے لیے دیا جائے تو نذرانہ
اسکول میں ادا ہو تو "فیس"
خریداری کرنی ہو تو "قیمت"
شادی میں بیٹی کو دیا جائے تو "جہیز"
ولیمہ پہ دلہا کو ملے تو "نیوتہ"
بینک میں رکھا جائے تو " کیش"
موبائل میں ڈلوایا جائے تو "بیلنس"
معاہدہ کے وقت دیا جائے تو "بیعانہ"
رمضان میں عید سے پہلے بانٹا جائے تو " فطرانہ"
عید کے دن دیا جائے تو عیدی
بچوں کو دیا جائے تو ''جیب خرچ"
غریب کو دیں تو "صدقہ و خیرات"
امیر کو دیں تو "ہدیہ"
دوست کو دیں تو "تحفہ''
حکومت کو دینا ہو تو " ٹیکس"
عدالت میں ادا کیا جائے تو "جرمانہ"
نوکری کے عوض ملے تو " تنخواہ"
ریٹائر منٹ پہ ملے تو "پنشن"
بینک سے لیں تو "سودی قرضہ"
اخوت جیسے اداروں سے لو تو " بلا سود قرضہ"
ویٹر کو دیں تو " بخشیش" اور
اغواکار کو دیں تو "تاوان"
غلط کام کے عوض لیں یا دیں تو "رشوت"
بدمعاش کو دیں تو "بھتہ"
شوہر بیوی کو دے تو "نان نفقہ" اور
اگر موت کے بعد بانٹا جائے تو 'وراثت' کہلاتا ہے۔

کلام محمود

منزل سے آگے بڑھ کر منزل تلاش کر
مل جائے تجھکو دریا تو سمندر تلاش کر
ہر شیشہ ٹوٹ جاتا ہے پتھر کی چوٹ سے
پتھر ہی ٹوٹ جائے وہ شیشہ تلاش کر
سجدوں سے میرے کیا ہوا صدیاں گزر گئیں
دنیا تیری بدل دے وہ سجدہ تلاش کر

ایمان لُٹ نہ جائے رہزن کے ہاتھوں سے
ایماں تیرا بچالے وہ رہبر تلاش کر
ہر شخص جل رہا ہے عداوت کی آگ میں
اس آگ کو بجھا دے وہ پانی تلاش کر
کردے سوار اونٹ پہ اپنے غلام کو
پیدل ہی خود چلے جو وہ آقا تلاش کر

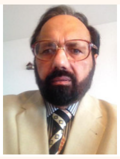

سبق سکھاتی ہے زندگی

منیر باجوہ

بھٹکے ہوؤں کو راہ پہ چلاتی ہے زندگی
راہ پر چلے ہوؤں کو رُلاتی ہے زندگی
تعبیر طلب ہوتے ہیں جیوَن کے سب خواب
جیوَن میں سب خواب دکھاتی ہے زندگی
تھک ہار کے جو چُور ہوتا ہے راہ میں
منزل پہ ایسے راہی کو لاتی ہے زندگی
امید جسکی ٹوٹتی ہے جا بھنور کے بیچ
ڈوبے ہوئے کو آس دلاتی ہے زندگی
بنے مطلق العنان جو دنیا جہان میں
اُسکے ہوا میں ٹکڑے اڑاتی ہے زندگی
جو سمجھے خود کو حاکمِ کون و مکاں یہاں
راکھ اُسکی آسماں تک اڑاتی ہے زندگی
جو زندگی میں خود کو سمجھنے لگے خدا
عبرت نشاں اسے پھر بناتی ہے زندگی
دردِ فراقِ یار سے جینا محال ہے
کس موڑ پر جدائی میں لاتی ہے زندگی
جب تک ملے نہ دل کو محبوبِ دلربا
آہوں و سسکیوں سے رلاتی ہے زندگی
جو ضابطہ حیات کو کرتا ہے اختیار
ساتھ ایسے ہمسفر کا نبھاتی ہے زندگی
جس نے جھکایا سراطاعتِ یار میں
اسکو سیدھی راہ پہ چلاتی ہے زندگی
غفلت میں نہ گزار اسکو منیر تُو
خود زندگی کے سبق سکھاتی ہے زندگی

شیخ محمد اظہر ملائیشیا

خالی آنکھ کے منظر کی بات کر
خوشبو پیار عطر کی بات کر
آج بھی برستا ہے طائف گلیوں والا
دست ظالم کے پتھر کی بات کر
آری سے جو آج کٹ گرا ہے
مسائل ہوا بوڑھے شجر کی بات کر
ڈعائے یار تو خیر تیرا مسئلہ ہے
خدا سے آج ستمگر کی بات کر
جلاتا ہے کیوں بس جنت ملے تجھے
اپنے بچوں کی گھر کی بات کر
خاک سینٹکتا تو جاتا بہشت میں
بدن نکال سنگ مرمر کی بات کر
خوشی نہ دیکھ موسیٰ اک ملاقات کی
خدا سے عمر بھر کی بات کر
آج ہو نہ جائے باہم گفتگو اپنی
دل اظہر آج اظہر کی بات کر
آداب و سلام عرض خدمت ہے

نتیجہ فکر

ستار فیضی آندھرا پردیش

آج کی بزم سجی ہے یہ سہانی دل سے
بات دل کی جو بتانی ہے بتانی دل سے
ظاہری شکل وصورت میں نہیں ہے کچھ بھی
جسم سے ہوتی نہیں ہے یہ جوانی دل سے
جام و مینا بھی نگاہوں میں ہیں تیری موجود
آنکھ تم سے ہے فقط خوب لڑانی دل سے
پیار کے نقش ہیں گہرے جو صنم کے میرے
مٹ نہیں پائیگی کوئی بھی نشانی دل سے
سات رنگوں کا تعاون بھی لیا ہے میں نے
ایک تصویر تمہاری ہے سجانی دل سے
سر بلندی کی ہے ضامن یہ ادب میں فیضی
شرط ہے لکھتے رہیں کہانی دل سے

ارشاد عاطف احمد آباد

دیوار اعتماد کی وہ توڑتا ملا
رہبر ہی قافلے کو یہاں لوٹتا ملا
پھر آج میری آنکھوں کو دھوکہ نیا ملا
مجھ سا ہی آئینے میں کوئی دوسرا ملا
آنکھوں میں اس کی نفرتیں دیکھی ہیں اس قدر
جب بھی ملا حسد سے مجھے دیکھتا ملا
نا جانے کیا ہے بیر اسے میری ذات سے
ہر لمحہ زندگی کا مجھے کاٹتا ملا
اس طرح میرے شہر کی عزت تو بچ گئی
جو بھی ملا یہاں پہ اسے پارسا ملا
پہچان ختم ہوگئی اس کے وجود کی
جب کوئی قطرہ جا کے سمندر سے جا ملا
منسان وہ کہیں سے نظر آتا ہی نہیں
ہر لمحہ جو کسی کا لہو چاٹتا ملا
دیکھا ہے تیرے شہر کا عاطف عجیب حال
ہر شخص اپنے آپ کو ہی ڈھونڈتا ملا

سلطان صابری

میری تقسیم کی باتیں کبھی تسلیم مت کرنا
یہ ٹکڑے موت ہیں میری مجھے تقسیم مت کرنا
یقیناً حرف آئے گا تمہاری خوش نگاہی پہ
ثمینہ تم کسی کم ظرف کی تعظیم مت کرنا
ہو رنگت لاکھ دل آویز دشمن پھر بھی دشمن ہے
کبھی برقِ تپاں کو حسن گل تسلیم مت کرنا
کہیں ایسا نہ ہو کہ تو بھی اس کو دیکھ کے روئے
مقدر کی سیاہی کو کبھی تجسیم مت کرنا
یہ وہ گھر ہے کہ جس گھر میں میرا دلدار رہتا ہے
دلِ مضطر کو اے شام الم دو نیم مت کرنا
انہیں شاید نہیں معلوم وہ گل کے محافظ ہیں
جو کہتے ہیں کہ کانٹوں کی کبھی تکریم مت کرنا
وہ جس ملت کی یکتائی پہ ہے تکلیف دشمن کو
اسے فرقوں قبیلوں میں کبھی تقسیم مت کرنا
یہ وصل و ہجر کے قصے مزہ ہے ان کو پڑھنے میں
محبت کے نصابوں میں کبھی ترمیم مت کرنا
تیرے رستے میں آئیں گی کئی رعنائیاں یوں تو
مگر آئیں اُلفت میں کبھی ترمیم مت کرنا

اقبال مجیدی

دل کا خون روتا ہے ہجر کی کہانی سے
بھیک مانگنے نکلی زندگی جوانی ہے
الغرض کتابِ دل ہوگئی مکمل اب
کچھ تری کہانی سے کچھ مری کہانی سے
یہ کمال کیا کم ہے آپ کے تکلم کا
جھوٹ بولتے ہیں آپ کس روانی سے
حوصلے شکستہ ہیں آہٹوں سے ڈرتے ہیں
موت بھی ہراساں ہے ایسی زندگانی سے
تھک گئے مجیدیؔ ہم بے اماں دیاروں میں
سو کا نصف گزرا ہے کربِ جانفشانی میں

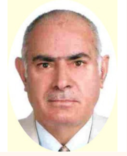

مبارک احمد مبارک

تلاش و جستجو گر کُو بہ کُو ہو
تجھے حاصل وہ یارِ خوبرو ہو
وہ کافر تھا کہ جو انکار کرے
مے و مطرب ہوا اور جامِ سبُو ہو
تجھے خود سے حجاب آئے اگر تو
گھڑی بھر آئینے کے رُو برو ہو
جوانا ! سرخ رُو دنیا میں ہوگا
اگر علم و ہنر کی جستجو ہو
سرِ میخانہ ساقی مہرباں ہو
تو پھر رندوں میں برپا ہاؤ ہو ہو
وہی محفل رہے گی رونقوں پر
جہاں جلوہ نما اے شوخ! تُو ہو
یہی ہے باصفا رندوں کی محفل
وہی آ سکتا ہے جو باوضو ہو
غزل تیری الاپے اے مبارکؔ
وہی مطرب جو سب میں خوش گلو ہو

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ

اب تک اُسی طرح سے اذیت میں کون ہے؟
اے دل تو خود بتا کہ محبت میں کون ہے؟
نظروں میں کون ہے اگر کوئی سامنے نہیں
گر بولتا نہیں تو سماعت میں کون ہے؟
آنکھوں میں آج تک بھلا کس کا قیام ہے؟
دن رات ایک جیسی عبادت میں کون ہے؟
کس کو خبر کہ کون کہاں ہمکلام ہے؟
کس کو خبر کسی کی رفاقت میں کون ہے؟
اچھا ہوا کسی پر حقیقت نہ کھُل سکی
شاہینؔ میں کیا کہوں کہ حقیقت میں کون ہے؟

سہیل احمد لون

اشک جب حوصلے گھٹاتے ہیں
خواب آنکھوں میں ٹوٹ جاتے ہیں
زندگی بین کرنے لگتی ہے
درد سینے میں مسکراتے ہیں
تیری گلیوں میں آتے جاتے تھے
تیری گلیوں میں آتے جاتے ہیں
ہم ہیں وہ لوگ جو سرِ مقتل
رقص کرتے ہیں، گیت گاتے ہیں
آنچ دے کر لہو کی، زخموں کو
شبِ غم میں دیے جلاتے ہیں
آج بھی اُس طرف سے دیکھ سہیلؔ
ٹھنڈے جھونکے ہوا کے آتے ہیں

آدم چغتائی، برمنگھم

عیاں ہے حسن کا پرتو گلستاں کی بہاروں میں
دھنک میں، چاندنی میں، گل رخوں میں ماہ پاروں میں
کھنک پازیبِ گل کی گونجتی ہے مرغزاروں میں
بڑے سرتال سے بہتا ہے پانی آبشاروں میں
ادا ایسی کہ جس پر خوبیٔ قدرت بھی نازاں ہو

ضیاء پھولوں کی جھلمل کر رہی ہے چاند تاروں میں
نظر آتی ہے ہر اک جام میں تیری ہی رعنائی
بڑھاتی ہے خمارِ شب جو تیرے بادہ خواروں میں
تری جنت کی رنگینی سدا قائم رہے مالک
ترا سائل یہی تو مانگتا ہے استعاروں میں
کبھی انوارِ خوباں میں، کبھی عرشِ بریں میں تُو
کبھی پایا نظر نے بحر کے اوجھل کناروں میں
بہت مشکل ہے کرگس سے بچانا اپنے شاہیں کو
کہیں بھٹکا دیا جائے نہ تپتے ریگ زاروں میں
ہمیں تو وادیٔ محبوب سے آدمؔ گزرنا ہے
مبادا گرد چھا جائے نہ پھنس جائیں غباروں میں

ڈاکٹر نعیم اشرف

حقیقتوں سے آشنا ہو رہا ہوں
دیکھ میں کیا سے کیا ہو رہا ہوں
اب نہیں اختلاف آپ سے رستے کا
ہم سفر! ہم نوا ہو رہا ہوں
ترس رہا تھا میں جام کو ساقی
آج خود ہی مئے کدہ ہو رہا ہوں
گرا ہوا ہوں تیرے نقشِ پا پر
جیتے جی خواب سا ہو رہا ہوں
نعیمؔ ہوں قفس کا غلام ابھی
کب کہا کہ پارسا ہو رہا ہوں

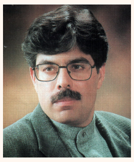

ارشد لطیف (لندن)

ہر اک فسانہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہے
غمِ زمانہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہے
کسی کو علم نہیں کون کتنا پاگل ہے
جنوں دِوانہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہے
ذرا سی بات پہ وہ ہم سے رُوٹھ جاتا ہے
اُسے منانا ضرورت سے کچھ زیادہ ہے
جو ہم سے سیکھا جو مانا وہ کتنا کم نکلا
جو ہم نے جانا ضرورت سے کچھ زیادہ ہے
ہم ایسے شہر میں ہیں جس میں ملک بستے ہیں
یہاں خزانہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہے

ڈاکٹر اسحاق ساجد (جرمنی)

وہاں وہ مسکرائے جا رہے ہیں
یہاں آنسو بہائے جا رہے ہیں
زمانہ وار کرتا جا رہا ہے
مسلسل زخم کھائے جا رہے ہیں
جفائیں ہو رہی ہیں ہم پہ پیہم
وفا کے گیت گائے جا رہے ہیں
جنہیں ہم رو رہے ہیں یاد کر کے
وہی ہم کو ستائے جا رہے ہیں
ہوا جاتا ہے دل غمگین پھر سے
گھٹا بن کر وہ چھائے جا رہے ہیں
شکایت ہم سے وہ کرتے ہیں ساجدؔ
کہ ہم خود کو مٹائے جا رہے ہیں

مبشر شہزاد گلاسگو

ہر اک قدم پہ رہا تیرا انتظار آخر
ملا نہ ایک بھی لمحے کو پھر قرار آخر
مرے وجود کو پہلے تو گرد اس نے کیا
لگا سمیٹنے پھر مجھ کو انتشار آخر
ابھی تو خواب کا نشہّ ہے ذہن پر حاوی
کھُلے گی آنکھ تو نکلے گا یہ خمار آخر
تمام خوشبو تو راہوں میں بانٹ دی اس نے!
گلوں پہ کرنا نہ تھا ہم کو اعتبار آخر
یہ زندگی ہے مبشرؔ تو ختم ہونا ہے
کسی بھی سانس پہ ہوگا نہ اعتبار آخر

کاروبارِ سیاست

سب سے بہتر نفع بخش کاروبار یہ ہوتا ہے
نقصان ہے نہ اس میں پیسہ بے شمار ہوتا ہے
راتوں رات لوگ جو لیڈر اس میں جاتے ہیں بن
آسمان سے نازل ہونے لگتا ہے پھر دھن ہی دھن
من مانی پھر کرتے ہیں قانون غلام ہو جاتا ہے
لے کے قرضے لاکھوں کے دل بے ایمان ہو جاتا ہے
کاغذ کالے ہوتے ہیں پیٹ فائیلوں کا بھرتے ہیں
مل کر بینک کارندوں سے خزانہ خالی کرتے ہیں
آ جائے گر وقت برا تو ’’مک مکائی‘‘ کر کے وہ
بھاگ جاتے ہیں غیر وطن کے بینکوں کو بھر کے وہ
یہ کوّے اور چیلیں گدھ مردے کھانے والے ہیں
ہے مقدر گولی اِن کے کہیں نہ جانے والے
کب تک اسلمؔ ایسے لوگ وطن ترے کو نوچیں گے
کب آئے گی عقل اُنہیں، اہلِ وطن کچھ سوچیں گے

سلیم فگار

اندھیرے کو نگلتا جا رہا ہوں
دیا ہوں اور جلتا جا رہا ہوں
میری ہر سمت یہ سائے سے کیوں ہیں
میں جیسے دن ہوں ڈھلتا جا رہا ہوں
دُھواں سا پھیلتا جاتا ہوں بجھ کر
حدوں سے اب نکلتا جا رہا ہوں

زوالِ آدمیت دیکھ کر میں
کفِ افسوس ملتا جا رہا ہوں
مُجھے تو ٹوٹنا ہے حشر بن کر
نہ جانے کیوں میں ٹلتا جارہا ہوں
میں زندہ ہوں کئی صدیوں اب تک

عطاالرحمن سعودی

وہ حسن کے لمحے جو خزانے لگے مجھے
ہاں عشق سمجھنے میں زمانے لگے مجھے
چہرے پہ ایک فکر کا غلبہ سا ہو گیا
اب آیئنے بھی عمر بتانے لگے مجھے
توبہ میری یہ کون سی محفل میں آ گیا
سب نام تیرا لے کے ستانے لگے مجھے
دشمن نے خوب جال بچھایا تھا آس پاس
لیکن وہ دوست تھے جو گرانے لگے مجھے
مجھ سے یہ اعتبار کی باتیں نا کیجے
وعدے تمہارے سارے بہانے لگے مجھے
شاید اُنہیں خبر تھی میری کاغذی ہے نا
وہ روز موج بن کے ڈبانے لگے مجھے
سورج ہوں اکیلا ہوں ذرا شام کیا ہوئی
کتنے چراغ جل کے بجھانے لگے مجھے
ویسے تو مئے حرام عطا کے لیے بھی ہے
ہاں چشم سے اگر وہ پلانے لگے مجھے

طاہرعدیم (جرمنی)

شکستہ دِل، پلک پر بحر و بر کس نے اُتارے ہیں
ذرا سی جان میں اتنے ہنر کس نے اُتارے ہیں
اِک اَن دیکھی جگہ سے ہیں اک اَن دیکھی جگہ کو ہم
ہمارے پاؤں میں اتنے سفر کس نے اُتارے ہیں
مری پتھر نظر میں گھومتی چھت کس نے ٹانگی ہے
سروں پر تیرتے دیوار و در کس نے اُتارے ہیں
ہزاروں فیصلے یہ فاصلوں میں قافلے باندھے
ہیں اُترے تو مرے گھر میں مگر کس نے اُتارے ہیں
ہماری قسمتوں میں خشک سالی کس نے لکھی ہے
شجر گلشن میں طاہر بے ثمر کس نے اُتارے ہیں

عبدالقدیر کوکب

عید دیوانوں کی ہوتی ہے بیابانوں کی سیر
عندلیب زار کی گلزار میں ہوتی ہے عید
عیش والوں کی ہوا کرتی ہیں عیدیں عیش میں
عاجزوں کی تو رضائے یار میں ہوتی ہے عید
ہلہ غلہ، غل غپارہ، شور سب ہیں لغویات
ایسے لوگوں کی عبث بیکار میں ہوتی ہے عید
اپنا دل رہتا ہے ہر لحظہ خدا کی یاد میں
عبد صالح کی ثنا یار میں ہوتی ہے عید
فرش راہ قلب ونظر کب سے پڑا ہوں راہ میں
اپنی کوکب انتظار یار میں ہوتی ہے عید

غزل

ٹبہ، ٹویا۔ اک برابر
گڈیا، بویا۔ اک برابر
راتیں اکھ تے بدل برسے
رویا، چویا۔ اک برابر
قسمیُں کے نیندر اڈ گئی
سُتا، مویا۔ اک برابر
ماڑے گھر نوں بوہا کادھا؟
کھلا، ڈھویا۔ اک برابر
سورج ٹُردا نال برابر
دن کیوں لگن سال برابر
وِتھ تے سجنا وِتھ ہوندی اے
بھاونویں ہووے وال برابر
اکھ دا چانن مر جاوے تے
نیلا، پیلا، لال برابر
جُلی منجی بھین نوں دے کے
ونڈ لئے ویراں مال برابر
مرشد جے نہ راضی ہووے
مجرا، ناچ، دھمال برابر
اُتوں اُتوں پردے پاون
وچوں سب دا حال برابر..

طفیل عامر

اشکبار ہم رہے
بار بار ہم رہے
کوئی بھی مرض نہ تھا
پر بیمار ہم رہے
اُن کو کچھ پتہ نہ تھا
جاں نثار ہم رہے
راستوں میں تیرے پھر
ایک یار ہم رہے!
آپ ہی بتایئے
شرمسار ہم رہے؟

آفتاب شاہ

کتاب آنکھیں، فسانہ چہرہ، غزل نگاہیں، حسین مکھڑا
ردیف رنگت، قوافی زلفیں، ہنسی سفینہ، نگین مکھڑا
رباب بندش، بدن قصیدہ، گریز جوبن، بہار فتنہ
شباب مصرعہ، جمال مطلع، قتال مقطع، متین مکھڑا
کمال لہجہ، نفیس باتیں، وقار فقرے، بلند آہنگ
سلگتی قربت، پگھلتا نخرہ، ادائیں قاتل، معین مکھڑا
فصیح ابرو، بلیغ پلکیں، سلاسی زلفیں، ثقیل جُوڑا
ذقن لطیفی، نظر رموزی، حسن رباعی، فطین مکھڑا
بیاں شگفتہ، خیال سادہ، مزاج منطق، سلیس جملے
راپاسخنی، لطیف جسمی، وجود نظمی، سبین مکھڑا
میل مکھڑا، نظیر مکھڑا، عقیق مکھڑا، عتیق مکھڑا
سیم مکھڑا، رفیق مکھڑا، عظیم مکھڑا، مبین مکھڑا

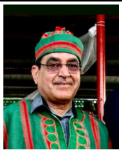

جب پاسپورٹ پر مذہب کے خانہ میں لکھا تھا۔ چیف سید معین شاہ

انتہائی ایمان افروز واقع مجھے 1971 سے 1981 تک سیرالیون، مغربی افریقہ اور پھر 1981 سے 1994 تک نائیجیریا، مغربی افریقہ میں سرکاری محکمہ تعلیم کے ساتھ کام کرنے کی توفیق ملی۔ اس دوران بہت سارے واقعات کا سامنا ہوا لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جو ہمیشہ یاد رہیں گے۔ جس جگہ میری تعیناتی تھی اسی جگہ دوسرے سکول میں ایک اور پاکستانی تھے اور ان کا تعلق جماعت اسلامی سے تھا۔ وہ اکثر شام کو میرے پاس آجاتے اور وقت گزارنے کیلئے مختلف موضوعات پر باتیں وغیرہ ہوتیں۔ ستمبر 1988 کا واقع ہے کہ میں نے پاکستان چھٹی پر جانا تھا۔ وہ دوست ایک دن میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ میں نے انہیں کہا کہ میں چھٹی پر جا رہا ہوں اور پروگرام ہے کہ جاتے ہوئے عمرہ کی سعادت حاصل کروں۔ اس پر کہنے لگے کہ کیونکہ میں احمدی ہوں اور آئینی طور پر غیر مسلم ہیں اس وجہ سے میں عمرہ نہیں کر سکتا ۔ میں ان کی بات پر خاموش رہا۔ اس کے بعد میں روزانہ نماز فجر سے پہلے خدا تعالیٰ کے دربار رو رو کر دعا کرتا رہا۔ اس پر ایک دن مجھے خواب میں خانہ کعبہ اور روزہ رسول کے علاوہ چاروں خلفاء میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چہرہ مبارک بھی دکھایا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد پھر نماز تہجد کے بعد سویا کہ خواب میں قبلہ رخ منہ کر کے روتا جا رہا ہوں اور دعا بھی کر رہا ہوں اس پر مجھے ایک آواز سنائی دی کہ کیوں رو رہے ہو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو تمہارے پاس کھڑے ہیں۔ میں نے منہ ایک طرف کیا تو دیکھتا ہوں کہ کوئی میرے پاس ہے۔ جب میں نے پاؤں سے اوپر تک نظر دوڑائی تو اتنی چمکنے والی روشنی تھی کہ میری آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ اسی دن وہی پاکستانی دوست مجھے ملنے آئے تو میں نے ان کو بڑے ہی جوش اور یقین کے ساتھ کہا آپ مجھے کہہ رہے تھے کہ میں عمرہ نہیں کر سکتا کیونکہ میں احمدی ہوں لیکن میں آج آپ کو پورے یقین سے یہ کہتا ہوں کہ دنیا کی کوئی ایسی طاقت نہیں جو مجھے اس نیک کام سے روک سکے۔ اس پر وہ بولے، اچھا دیکھیں گے۔ کچھ دنوں کے بعد میں ویزہ لینے Kano شہر جہاں سعودی سفارت خانہ ہے، چلا گیا اور ویزہ فارم پر کر کے پاسپورٹ کے ساتھ ویزہ کے لئے ان کے دفتر میں جمع کروا دیا۔

میرے پاسپورٹ پر مذہب کے خانہ میں احمدی لکھا تھا اور declaration پر دستخط بھی نہیں کئے تھے۔ خوابوں کی وجہ سے مجھے ہستی باری تعالیٰ پر کامل یقین تھا کہ ویزہ سے انکار نہیں ہو سکتا۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد انہوں نے آواز دے کر بلایا اور پاسپورٹ میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ پاسپورٹ کھول کر دیکھا تو پانچویں صفحہ پر ویزہ لگا ہوا تھا۔ میں اسی دن واپس اپنی جگہ آ گیا۔ اگلے دن وہی صاحب مجھے ملنے ائے تو میں اندر سے اپنا پاسپورٹ لے آیا اور انہیں تھماتے ہوئے کہا کہ اس کے صفحہ ایک سے اگلے صفحوں تک دیکھتے جائیں۔ پہلے صفحہ پر احمدی اور پھر آگے ویزہ دیکھ کر حیرانگی سے میری طرف دیکھ کر کچھ کہنے لگے تو میں نے انہیں کہا کہ یہ نہ صرف خدا پر کامل یقین ہونے کی وجہ ہے بلکہ حضرت مسیح الموعود اور احمدیت کی صداقت کا ایک زندہ نشان بھی ہے جسے آپ جھوٹا کہہ رہے تھے۔ اور وہ خاموش رہے۔ مجھے مع فیملی عمرہ کی سعادت ملی ایک بار نہیں بلکہ دو بار۔ جب بھی کوئی انسان دل سے اور خدا تعالیٰ پر کامل یقین رکھتے ہوئے اس کے آگے جھکتا ہے تو وہ ہستی درخواست کو رد نہیں کرتی۔

بھٹو کی پھانسی بنتی تھی

حیدر جاوید سید

4/اپریل ہے بھٹو صاحب (ذوالفقار علی بھٹو) کی پھانسی کا دن۔ معاف کیجئے گا بھٹو کی پھانسی بنتی بھی تھی۔اس پھانسی کی ایک نہیں کئی وجوہات ہیں۔1973ء کا آئین ایک وجہ ہے۔ایٹمی پروگرام دوسری، روزگار کے ذرائع پیدا کرنا اور لاکھوں افراد کو اندرون و بیرون ملک روزگار دلوانا، یہ جو زندگی میں پہلی بار پاکستان کی سرحدوں سے باہر نکلے روزگار کے لئے ان کی کمائی سے پچھلوں کے دن پھر گئے۔دن پھرتے ہیں تو خدا یاد آتا ہے خدا یاد آئے تو بندے کا دل کرتا ہے مذہب کی خدمت کرے، عبادتگاہیں بنوائے۔

بھٹو کے خلاف 1977ء والی تحریک میں سارے وہ طبقات شامل تھے جنہیں کسی نہ کسی طرح بھٹو کے دور میں فائدہ ہوا تھا۔بھٹو نے تعلیمی ادارے قومی تحویل میں لئے، بڑا جرم کیا۔80 اور 120 روپے لے کر 150 سے 300 روپے تک کی رسید پر دستخط کرنے والے استادوں کی ملازمت کو قانونی تحفظ مل گیا پھر انہوں نے یونین بنائی سب سے پہلے جماعت اسلامی کے ہم خیال اساتذہ کی تنظیم بنی۔آپ پاکستانی تاریخ کے 4اپریل 1979ء سے قبل کے اوراق اُلٹ کر دیکھ لیجئے پھر اس میں سے بھٹو کا حصہ۔ہر صفحہ آپ کو گواہی دے گا اس کی پھانسی بنتی تھی۔جی ایچ کیو میں نوجوان افسروں کے ہاتھوں ذلت اُٹھا کر بھٹو کو اقتدار سونپا گیا۔خوشی سے نہیں مجبوری سے۔اس ذلت کا غصہ بھٹو کو پھانسی چڑھا کر اور اس کی بیٹی کو سڑک پر مروا کر بھی کم نہیں ہوا۔اونٹ جیسا کینہ ہے، ختم ہی ہونے کو نہیں آ رہا۔

چند ساعتوں کے لئے رُک جایئے۔بھٹو کی پھانسی اس لئے بھی بنتی تھی کہ وہ ان لوگوں میں شامل تھے جو سیاست کو بی ڈی ممبروں کے گھروں سے نکال کر گلی کوچے میں لائے۔لاریب وہ انسان تھے ولی کامل یا آسمانی اوتار ہرگز نہیں ان سے غلطیاں بھی سرزد ہوئیں مگر معاف کیجئے گا وہ اپنی غلطیوں کی وجہ سے نہیں خوبیوں کی وجہ سے پھانسی چڑھے۔ویسے اچھا ہوا پھانسی چڑھ گئے۔سپریم کورٹ انہیں بری کر دیتی تو کیا ہوتا۔کوئی خودکش ان کی جان لے لیتا اس کی بھی وجوہات گھڑی جاتیں۔بھٹو سقوط مشرقی پاکستان کے بعد اقتدار میں آئے۔آئے نہیں لائے گئے۔جنرل یحییٰ خان کی فوجی حکومت کے ''بڑے'' سقوط مشرقی پاکستان کے بعد بچے کھچے پاکستان کے اقتدار کی بندر بانٹ کے لئے صلاح مشورہ کر رہے تھے، نوجوان افسر بپھر گئے۔ اقتدار بھٹو کو منتقل کرنا پڑا۔ملک ''ایل ایف او'' کے ذریعے چل رہا تھا۔ایوب نے 1956ء کے آئین کو کوڑے دان میں پھینکا اس کے صدارتی آئین کو یحییٰ خان نے اُٹھا کر پھینک دیا۔لیگل فریم ورک آرڈر آیا۔1970ء کے انتخابات بھی اسی کے تحت ہوئے تھے ون یونٹ ختم کر کے صوبے بھی ایل ایف او نے بحال کئے۔بھٹو اقتدار میں آئے۔بلاشبہ وہ مغربی پاکستان کے مقبول ترین رہنما تھے۔بھارت سے 90 ہزار قیدی واپس لانا بھی ایسا جرم تھا کہ ان کی پھانسی بنتی تھی۔ان کے رُفقا جرنیلوں کے خلاف مقدمہ چلانے کے خواہش مند تھے مگر بھٹو کا خیال تھا کہ اگر ایسا ہوا تو نیا پنڈورا باکس کھلے گا۔ بھارت سے جنگی قیدی رہا کروانے میں تاخیر ہو جائے گی۔بھٹو خوبیوں اور خامیوں میں گندھے انسان تھے آپ کے نزدیک خامیاں زیادہ ہوں گی میرے نزدیک خوبیاں زیادہ تھیں۔آراء کا اختلاف سماجی شعور کا حُسن کہلاتا ہے۔وائے ہوان پر جو آراء کے اختلاف پر کھٹ سے گالی بھونکتے ہیں۔بھٹو کو کون سی گالی ان کے مخالفوں نے نہیں دی۔پھانسی چڑھا کر مسلمانی کی تصدیق بھی کی تھی۔مسلمانی کی تصدیق کے لئے بھی پھانسی بنتی تھی۔بھٹو نے اردن کے شاہ حسین کی سفارش پر جنرل ضیاءالحق کو آٹھویں درجہ سے اُٹھا کر آرمی چیف بنایا پھانسی کے لئے یہی جرم کافی وشافی تھا۔انہوں نے بی ڈی ممبروں کی غلامی کا طوق پہنے پھرتی رعایا کو ووٹ کا حق دلوایا اس پر ڈبل اور بے زبانوں کو زبان دینے پر ٹرپل پھانسی بنتی تھی۔

4/اپریل 1979ء کی صبح بھٹو پھانسی چڑھا دیئے گئے۔واقعی بھٹو پھانسی چڑھ گئے؟ جیل میں لکھی اپنی کتاب ''اگر مجھے قتل کر دیا گیا'' میں وہ کہتے ہیں ''میں جرنیلوں کے ہاتھوں مر کر تاریخ میں زندہ رہنا چاہتا ہوں''۔ ایسا ہی ہوا، بہت سارے تھڑدلے بونے بوزنے۔پھبتی کستے ہیں سب مر گئے بھٹو زندہ ہے۔جی بالکل۔بھٹو زندہ ہے، آپ ایک کام کیجئے اسے پھر سے پھانسی چڑھائیں شاید اس بار مر ہی جائے۔بھٹو اور ان کی پارٹی کے خلاف اس ملک میں سب سے زیادہ غلیظ پروپیگنڈہ ہوا۔عدالتی قتل کے معاونین کے ساتھ اس کے ورثا ایم آر ڈی میں بیٹھے تین دن لنگر تقسیم کرنے والوں کے ساتھ اے آر ڈی میں۔ظرف کے اس مظاہرہ نے بھٹو کو زندہ رکھا۔بھٹو نے اس سماج کے کچلے ہوئے طبقات کو زبان دی۔یہ بھی ایک جرم

تھا سنگین جرم۔ بالائی سطور میں عرض کر چکا ان سے غلطیاں بھی سرزد ہوئیں۔ وہ واحد رہنما تھے جو ملائیت کے فتوے کو روند کر آگے بڑھے اور کامیاب ہوئے 1970ء کے انتخابات میں انہیں ووٹ دینے کو کفر قرار دیا گیا تھا ایک فتویٰ میں) بھٹو کی پھانسی بنتی تھی کیونکہ انہوں نے ستمبر 1976ء میں امریکی سفیر کو جنوبی ایشیا میں اگلے چند برسوں میں آنے والی تبدیلیوں کو روکنے کے لئے امریکی پٹھو بننے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کی جگہ جنرل ضیاء الحق نے یہ خدمات سرانجام دیں وہ پہلے اردن میں ایسی ہی خدمات سرانجام دے چکے تھے وہیں سے عالمی اسٹیبلشمنٹ کی نگاہوں میں آئے تھے۔ بھٹو نے اچھا کیا معافی نہیں مانگی، جلاوطنی کا معاہدہ نہیں کیا۔ ہمارے چار قسم کے لوگ اسے غلط سمجھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ زندہ بچ جانا کمال ہے جان ہے تو جہان ہے۔ اپنی اپنی سوچ ہے۔ بھٹو نے جو سوچا اس پر عمل کیا۔ 4 اپریل کی صبح پھانسی چڑھے اسی دن سخت پہرے میں گڑھی خدا بخش کے قبرستان میں دفنا دیئے گئے۔ جنازے میں مشکل سے بارہ پندرہ لوگ تھے ان کے قاتل کا جنازہ بہت بڑا تھا۔ بعض قاتلوں کے جنازے بہت بڑے ہوتے رہے اور ہوئے بھی۔ پتہ نہیں لوگوں کو کیا بیماری کہ قاتلوں کی بجائے مقتولوں کی قبروں پر میلہ لگائے رکھتے ہیں۔ بھٹو کی پھانسی، بنتی تھی کیونکہ وہ ذوالفقار علی بھٹو تھا اور وہ تاریخ کے کوڑے دان کا رزق بننے کی بجائے تاریخ میں زندہ رہنے کا خواہش مند بھی۔ بھٹو کی پھانسی بنتی تھی

بھٹو کے دو کام

جمہوری دہشت گرد ہنری کسنجر نے بھٹو کو قتل کروایا۔ بھٹو نے ایٹمی پروگرام شروع کیا اور نحوست کے مارے لیکن اسی غدار بھٹو نے، بنگلہ دیش بھی بنایا تھا جسے ہم بھٹو دیش کہتے ہیں۔ ملی ماؤس امریکہ کے جمہوری کیڑے مکوڑے ہنری کسنجر نے ایٹمی پروگرام پر بھٹو کو عبرت کی مثال بنانے کی دھمکی دی تھی اور بھٹو پر جھوٹا کیس ڈال کر اسے پھانسی دلوادی بھٹو کے قاتل ملی ماؤس امریکہ اور یہودی دہشت گرد ہنری کسنجر دونوں ہیں۔ بھٹو اگر اتنا اچھا تھا تو لعنتی موت کیوں مرا۔ ذرا سوچیئے۔ وہ ایک احسان فراموش انسان تھا۔ واقعی وہ وقت کا فرعون اور یزید وقت تھا جس نے ملاں کے چکر میں آکر اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے ایک کلمہ گو جماعت پر ظلم کیا اور کتے کی موت مرا۔

نذرانہ عقیدت تاریخ وفات 18 مئی

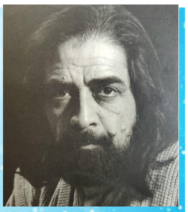

عبیداللہ علیم صاحب

حسنِ غزل میں طرزِ ادا ہے بھوپال کی
اندازِ گفتگو میں صدا ہے بھوپال کی
شامِ اوَدھ کے رنگ میں ان کے کلام میں
گلہائے فکر و فن کی فضا ہے بھوپال کی
ان کی تو شاعری میں حقیقت کا عکس ہے
حسنِ بیاں کے ساتھ محبت کا عکس ہے
اشعار میں علیم کے کیا کچھ نہیں ہے دوست
حالاتِ حاضرہ کی سیاست کا عکس ہے
پت جھڑ کے دور میں ہے رنج و الم کی شب
مثلِ بہار نظم ہے راحت کا عکس ہے
جدت کے ساتھ حسنِ غزل فکر کا سرور
ساقی کے ساتھ جام کی حرمت کا عکس ہے

مبشر شہزاد، گلاسگو۔ سکاٹ لینڈ

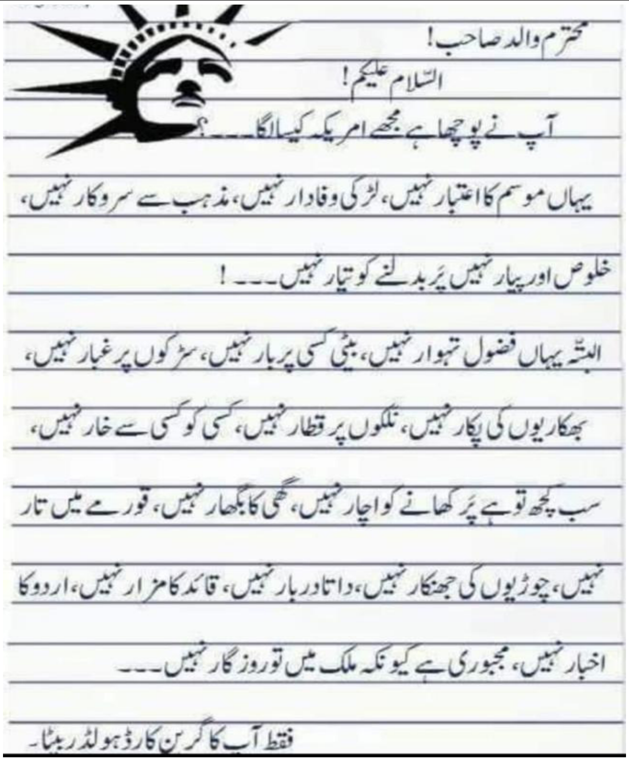

محترم والد صاحب!
السّلام علیکم!
آپ نے پوچھا ہے مجھے امریکہ کیسا لگا۔۔۔؟
یہاں موسم کا اعتبار نہیں، لڑکی وفادار نہیں، مذہب سے سروکار نہیں،
خلوص اور پیار نہیں پر بدلنے کو تیار نہیں۔۔۔!
البتہ یہاں فضول تہوار نہیں، بیٹی کسی پر بار نہیں، سڑکوں پر غبار نہیں،
بھکاریوں کی پکار نہیں، نلکوں پر قطار نہیں، کسی کو کسی سے خار نہیں،
سب کچھ تو ہے پر کھانے کو اچار نہیں، گھی کا بگھار نہیں، قورمے میں تار
نہیں، چوڑیوں کی جھنکار نہیں، داتا دربار نہیں، قائد کا مزار نہیں، اردو کا
اخبار نہیں، مجبوری ہے کیونکہ ملک میں تو روزگار نہیں۔۔۔
فقط آپ کا گرین کارڈ ہولڈر بیٹا۔

پاکستان بننے کے بعد پہلی ایف آئی آر کب درج ہوئی

18 اگست 1947 میں پاکستان کا پہلا بدترین اور ناانصافی پر مبنی سچا واقعہ تپیدار اور شاعر محمد خان ہدم کا تعلق سندھ کے ایک ٹاؤن ماتلی ضلع بدین سے تھا وہ ایک نیک، سچا مذہبی پنج وقت نمازی اور تہجد گزار انسان بھی تھا، محکمہ ریونیو کراچی میں تپیدار کی حیثیت سے تعینات تھا۔

17 اگست 1947 پاکستان آزاد ہو چکا تھا، 18 اگست 1947، رمضان کے مہینے میں محمد علی جناح، لیاقت علی خان اور ملک کی اعلیٰ قیادت کو کراچی میں نماز شکرانہ کی ادائیگی کرنی تھی، سرکاری اعلیٰ افسران شاہی کی طرف سے ریونیو والوں کو مرکزی عیدگاہ کی صاف صفائی کا حکم ملا تا کہ مناسب طریقے سے نماز شکرانہ کی انتظام کیا جا سکے۔ محمد خان ہدم کی سربراہی میں عیدگاہ کی صفائی کا کام کیا گیا، اسی دوران محمد خان ہدم کو یہ خیال آیا کہ وہ بھی پہلی صف میں محمد علی جناح اور لیاقت علی خان کے نماز ادا کرے گا یہ اس کی دلی تمنا بن گئی۔ جب نماز کا وقت قریب آیا تو ڈپٹی کمشنر اور مختار کار آخری جائزہ لینے کیلئے مرکزی عیدگاہ پہنچے سارے اسٹاف کو حکم ہوا کہ پہلی اور دوسری صفیں خالی ہونی چاہئیں، پہلی صف میں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح، لیاقت علی خان اور سردار عبدالرب نشتر نماز پڑھیں گے اور دوسری صف میں پاکستان کے بیوروکریٹس اور دیگر اعلیٰ افسران ہونگے، باقی پچھلی صفوں میں خلق خدا نماز پڑھے گی۔ یہ اعلان سنتے ہی محمد خان ہدم نے سوچا کہ اسلام میں ایسا کچھ بھی نہیں کہ حکمران اور عوام کاندھے سے کاندھا ملا کر نماز نہ پڑھ سکیں یہ کون سا مسخرہ پن لگا رکھا ہے، اس غریب کی بات بھی صحیح تھی کہ واقعی اسلام میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے اگر حکمران دیر سے آئے اور اگلی صف میں جگہ نہ ہو تو پیچھے بھی نماز پڑھ سکتا ہے، اس میں کوئی حرج بھی نہیں اور نہ کسی کتاب میں لکھا ہوا ہے مگر یہاں تو قصہ ہی دوسرا ہے۔

بہرحال جیسے ہی نماز کا وقت ہونے والا تھا، مختار کار نے پھر اگلی صفوں کا جائزہ لیا، پہلی صف میں محمد خان ہدم تنہا کھڑا تھا جبکہ دوسری صف بھی خالی تھی، مختار کار نے محمد خان سے کہا یہاں سے نکلو اور پیچھے کسی بھی صف میں جا کر کھڑے ہو جاؤ، یہاں جناح والی قیادت نماز پڑے گی، اس نے کہا کہ اسلام میں یہ فرق نہیں ہے میں جناح کے ساتھ پہلی صف میں نماز پڑھوں گا، کچھ ہی دیر میں اے سی صاحب آئے اور مختار کار کو حکم دیا کہ پہلی صف میں جو

شخص کھڑا ہے اسے وہاں سے فوراً ہٹایا جائے، مگر خان صاحب پر ایک ہی بھوت سوار تھا کہ دین اسلام ایسا کوئی اندھیر نہیں ہے، میں سب سے پہلے پہنچا ہوں اس لئے پہلی صف میں قائد کے ساتھ نماز ادا کروں گا، یہاں سے مجھے کوئی بھی نہیں ہٹا سکتا، اسی دوران کمشنر صاحب بھی آ گئے انہیں بھی اس صورتحال سے آگاہ کیا گیا کہ یہ صاحب اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں کہ جناح صاحب کے ساتھ نماز پڑھوں گا۔

کمشنر نے سیکورٹی کے عملے کو حکم دیا کہ اس کا دماغ خراب ہے اسے مار کر ایسی جگہ پھینک آؤ کہ آج یہ یہاں دوبارہ نظر نہ آئے، حکم کی تعمیل ہوئی سیکورٹی والے کتوں کی طرح اس پر چڑھ گئے اسے لہولہان کر دیا پھر کتے پکڑنے والی گاڑی میں ڈال کر اسے منگھوپیر والے علاقے میں جہاں ویرانہ تھا پھینک آئے۔ ہدم صاحب وہاں بے ہوش پڑے تھے کہ ایک چرواہے کی نظر اس پر پڑی اسے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار کر ہوش میں لیکر آیا۔ مختصر حال احوال کے بعد محمد خان نے اسے کہا کہ مجھ پر ایک مہربانی کرو مجھے کسی طرح میرے گھر کراچی پہنچا دو اس چرواہے نے اسے کسی گاڑی میں ڈال کر اس کے گھر پہنچا دیا۔ اس کی بیوی نے یہ خون والے کپڑے اور جسم پر تشدد دیکھ کر پوچھا کیا ہوا؟ تمہارے ساتھ یہ کس نے کیا ہے؟

محمد خان ہدم نے اپنی بیوی کو بتایا کہ مجھے پہلی صف میں قائداعظم کے ساتھ پاکستان کی آزادی کی نماز شکرانہ پڑھنے کی سزا ملی ہے، قصہ بہت بڑا ہے اب تو میرا حشر اور برا ہونے والا ہے، باقی باتیں بعد میں کریں گے تم پہلی فرصت میں یہاں سے ماتلی چلی جاؤ، ابھی جاسوس سونگھتے سونگھتے یہاں پہنچنے والے ہونگے مجھے نہیں چھوڑیں گے تم نکل جاؤ مجھ پر کئی کیس بنیں گے شاید میری پوری عمر جیل میں گزر جائے گی۔ اسی رات محمد خان ہدم کے گھر پر پولیس نے چھاپہ مارا اور اسے جناح اور لیاقت علی خان پر قاتلانہ حملے کی پاکستان کی پہلی ایف آئی آر کاٹی گئی اور اس پر ملک دشمن اور جاسوسی کی دفعات بھی لگائی گئیں۔ یہ خبر میڈیا میں بھی آئی اور اسے سینٹرل جیل بھیج دیا گیا، چار سال تک کیس چلا اور اسے پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ اس کے دوستوں نے سزا کے خلاف اپیل داخل کی مگر اسی دوران پاکستان کے اندر ملک کی سلامتی کے خلاف ایک مقدمہ دائر ہوا جس میں ملک کے نامور شاعر فیض احمد فیض کو گرفتار کر کے کراچی جیل میں لایا گیا، محمد خان کو جب معلوم ہوا کہ فیض احمد فیض بھی جیل میں ہے تو کسی طریقے سے اس سے رابطہ کیا اور ملاقات کی اور

اسے اپنا تعارف کروایا کہ میں بھی شاعر ہوں اور سارا قصہ بتایا، فیض نے اسے تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا، فیض احمد فیض نے محمد خان ہمدم سے کہا یار مجھے سندھی نہیں آتی، مجھے سندھی سکھاؤ، محمد خان فیض کو سندھی پڑھاتا رہا اس دوران فیض نے محمد خان کو ایک قابل وکیل مقرر کر کے دیا جس نے محمد خان ہمدم کو سارے الزامات سے بری کر دیا گیا، ساتھ میں نوکری بھی بحال ہوئی اور بقایا جات کی بھی ادائیگی بھی ہوئی۔ اس نے فیض احمد فیض کا شکریہ ادا کیا اور جیل سے رہا ہو کر گھر پہنچتے ہی اپنی الماری سے قرآن پاک اور جائے نماز اٹھا کر کسی بچے کو دی کہ جا کر اسے مسجد میں رکھ کر آؤ، پھر اس نے پہلی صف میں نماز پڑھنے کیلئے ہمیشہ کیلئے توبہ کر لی۔ اس تجربے کے بعد محمد خان ہمدم ایک بڑا کمیونسٹ بن گیا اور اپنی نوکری بہت ہی ایمانداری سے کرنے کے بعد ریٹائر ہوا۔

(حوالہ۔ کتاب "آ ہی ینہن آ ہی نینہن" مصنف)

پہلی چوکیدار والی

اے آر خان

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے کالج کا چوکیدار جب چاہے گن پوائنٹ پر پرنسپل کو دفتر سے نکال کر خود پرنسپل کی سیٹ پر بیٹھ جاتا ہے۔ جب تک اس کا جی چاہتا ہے اختیار و اقتدار کے گل چھرّے اُڑاتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد قرین مصلحت سمجھ کر کسی بے ضرر حواری کو پرنسپل کی سیٹ پر بٹھا دیتا ہے اور خود گیٹ پر چلا جاتا ہے۔ مگر طفیلی پرنسپل چوکیدار کے اشارہ ابرو پر ہی کالج کے جملہ اُمور سر انجام دیتا ہے۔ یہی چوکیدار سادہ لوح عوام کی توپوں کا رُخ پرنسپل کی طرف مرکوز رکھتا ہے اور اساتذہ کرام کے کام چور ہونے کا پروپیگنڈہ بھی اپنے پالتو صحافیوں سے تسلسل سے کرواتا ہے اور خود کمال مہارت سے کالج کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ کر کبھی آسٹریلیا میں جزیرے خریدتا ہے۔ کبھی امریکہ میں پاپا جونز کی کمپنیاں کھولتا ہے اور کبھی بلجیئم میں پراپرٹی خریدتا ہے نتیجہ یہ کہ کالج کنگال ہو کر رہ گیا ہے۔ شکستہ کلاس رومز، ٹوٹا پھوٹا فرنیچر خستہ حال چاردیواری اور ناقص تعلیمی پالیسیاں طلبہ کے مستقبل کو تاریک بنانے کا مجرمانہ کردار ادا کر رہی ہیں۔ طلبہ سے بھاری فیسوں کے علاوہ بھی مال بٹورا جاتا ہے مگر پھر بھی کالج مسلسل خسارے میں ہے اور بہتری کے کوئی آثار تک دکھائی نہیں دیتے۔ گزارش یہ ہے کہ اگر آپ ادارے کی بقا و ترقی کے خلوص دل سے متمنی ہیں تو جرآت رندانہ کے ساتھ پہلے چوکیدار کا خاطر خواہ محاسبہ اور معقول بندوبست کریں پھر کالج کے بارے میں اصلاحات کے منصوبوں عملہ جامہ پہنانے کے منصوبوں پر توجہ دیں۔

غرق خود اپنے لہو میں آفتابِ شام ہے

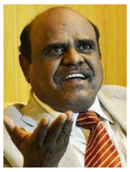

چیف جسٹس کارنیلیس کے نام

12 مئی 2023ء پڑھنے کیلئے 5 منٹ

(عرفان احمد خان۔ جرمنی)

تاریخ میں زندہ رہنے کے لیے جسٹس کارنیلیس بننا پڑتا ہے۔ لاہور شہر صدیوں سے تہذیب و ثقافت کا مرکز چلا آ رہا ہے اسی لیے شائد اپنے اندر اَن گنت کہانیاں سمیٹے ہوئے ہے۔ جب تک علم دوستی اور سچی و کھری صحافت لاہور کی فضاؤں میں سیاست و مذہب پر حاوی رہیں یہ شہر نیک نام اور لازوال محبتوں کا شہر کہلاتا تھا۔ ماضی میں اس شہر میں ایسی ایسی بلند پایہ قابلِ قدر ہستیاں موجود رہیں جن کی مثالیں دے کر آج کی نسل کو حکمت و دانائی کی راہ سجھائی جاتی ہے۔ وہ لعل و گہر جن کے دم سے اس شہر کا بھرم قائم تھا ان میں ایک نام جسٹس کارنیلیس کا بھی ہے جو پاکستان کی سب سے بڑی عدالت عالیہ سے سترہ سال وابستہ رہ کر نیک نام جج کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے۔ گذشتہ کچھ عرصے سے پاکستان سپریم کورٹ کا رویہ سیاستدانوں اور قانون دانوں کے درمیان موضوعِ بحث بنا ہوا ہے۔ شائد اسی لیے عقل کی راہ سجھانے اور ہوش کے ناخن لینے کے لیے گذشتہ اتوار کے روز لاہور میں مینارٹی رائٹس فورم (Minority Rights Forum) نے جسٹس کارنیلیس کی یاد میں ایک سیمینار کا اہتمام کیا جس میں ایک اجلاس ''دستورِ پاکستان میں اقلیتوں کو حاصل حقوق'' کے عنوان سے بھی تھا۔ اس اجلاس سے سپریم کورٹ کے موجودہ چیف جسٹس نے بھی خطاب کیا۔ ان سے توقع تو یہ تھی کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے دَور کے چند ایسے فیصلوں کا ذکر ضرور کریں گے جو ادارے کے لیے نیک نامی اور اچھی شہرت کا باعث بنے۔ ایک دو مثالیں ضرور ایسی بیان کریں گے جن میں ان کے نامہ اعمال کے بے مثال ہونے کی نوید نہیں تو جھلک ضرور موجود ہو۔ افسوس اس بات کا ہے کہ چیف جسٹس کے منہ سے مظلوم کو ڈھارس بندھوانے والے دو لفظ بھی ادا نہ ہو سکے بلکہ اس سنجیدہ فورم کو بھی انہوں نے سیاسی سٹیج کے طور پر استعمال کیا۔ اس فورم کے انعقاد اور چیف جسٹس کو بلانے کا مقصد آئین کے آرٹیکلز کی تفاصیل سننا نہیں بلکہ آرٹیکلز پر عمل درآمد کروانے میں سپریم کورٹ کے کردار کی تفاصیل سے آگاہ

ہونا تھا۔ آئین میں جو لکھا ہے وہ سب جانتے ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ جو لکھا ہے اس پر نہ تو شہری عمل کرتے ہیں اور نہ ریاست اس کو خاطر میں لاتی ہے۔ آخری امید کے لیے سپریم کورٹ رہ جاتی ہے اور وہ قرآن کریم کے (پنجاب حکومت کی دانست میں) ترجمہ کی تحریف کے مقدمہ میں گرفتار افراد کی ضمانت لینے کو تیار نہیں۔ آپ سٹیج پر کھڑے ہو کر لاکھ کہیں کہ آئین کا آرٹیکل اکیس اور بائیس کسی مذہبی تفریق کے بغیر انسانی بنیادی حقوق کے تحفظ کا ضامن ہے اور انسانی بنیادی حقوق کی حفاظت عدلیہ کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ زمینی حقائق بتاتے ہیں کہ آپ کے قول اور فعل میں یکسانیت نہیں۔ اگر آپ کو دستور اور ذمہ داری کا احساس ہو جو آپ کے کندھوں پر ہے تو مذہبی منافرت کے نتیجہ میں بنائے گئے مقدمات میں ملوث افراد سالوں سلاخوں کے پیچھے زندگی گزارنے پر مجبور نہ ہوں۔ جناب چیف جسٹس نے علاوہ اَور باتوں کے جن امور کی بطور خاص نشان دہی کی ان میں پاکستان میں اقلیتوں کو مکمل آزادی ہے، آئینِ پاکستان اقلیتوں کے حقوق کا ضامن ہے، پاکستان کے ہر شہری کو بنیادی حقوق حاصل ہیں، بنیادی حقوق پر فیصلہ کرنا سپریم کورٹ کا حق ہے، آئین کا تحفظ ہمارے بنیادی فرائض میں شامل ہے، آئین کسی بھی مذہب کو اختیار کرنے کی اجازت دیتا ہے، کسی شخص کے ساتھ مذہب اور نسل کی بنیاد پر امتیاز نہیں کیا جا سکتا وغیرہ شامل ہیں۔ ایسا لگتا ہے گویا چیف جسٹس صاحب دستورِ پاکستان کے چند آرٹیکلز کی یاددہانی کروانے آئے تھے۔ میں بحیثیت ایک متاثرہ شہری کے عزت مآب چیف جسٹس صاحب سے یہ پوچھنے کی جسارت کرتا ہوں کہ اگر آپ کے بیان کردہ آرٹیکلز کو آب رواں کا درجہ حاصل ہے تو 2014 میں چیف جسٹس تصدق حسین جیلانی کو پاکستان میں اقلیتوں کی حالت زار پر ایک تفصیلی فیصلہ کیوں جاری کرنا پڑا، جس کا حوالہ چیف جسٹس نے اپنی تقریر میں بار بار دیا۔ اپنی تقریر میں سورت الانعام، سورت الحج، سورت البقرہ اور سورت المائدہ کے ریفرنس دیتے وقت آپ کے جسم پر لرزہ طاری ہو جانا چاہیے تھا۔ آپ قرآنی آیات پر مشتمل یہ ریفرنسز اس شہر کے سٹیج پر کھڑے ہو کر دے رہے تھے جہاں ایک ہی جمعہ کے روز دو مساجد میں 86 نمازیوں کو مذہبی منافرت کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ ظلم ڈھانے والوں پر گرفت کے لیے نہ کسی دستور کا کوئی آرٹیکل اور نہ ہی آئین کے تحفظ کا دعویدار انصاف مہیا کرنے والا ادارہ سامنے آیا۔ بلکہ آپ کی خاموشی سے ظلم ڈھانے والوں کو حوصلہ ملا۔ جو زندہ ہیں وہ خوف کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور جو اَبدی نیند سو چکے ان کی قبروں کی بے حرمتی کی خبریں مع تصاویر آئے دن اخباروں میں چھپ کر دلوں کو مزید زخمی کرتی ہیں۔ دستور کے آرٹیکلز اور بلاامتیاز حقوق کے محافظوں نے کبھی از خود نوٹس نہیں لیا۔ کیوں؟ چیف جسٹس کی تقریر کا ایک فقرہ ان کی اپنی ذات کے لیے ہے اور میں بین السطور ان کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ عزت مآب نے فرمایا: ”جسٹس کارنیلیس مجسم انصاف تھے۔ ججز میں انصاف کرنے کے لیے جسٹس کارنیلیس جیسے اوصاف ہونے چاہئیں۔ سب سچائی سے گریز کیا جائے تو انصاف سے گریز کیا جاتا ہے۔“

جب سچ زبان پر آ ہی گیا ہے تو ہمت کیجیے اور جسٹس تصدق حسین جیلانی کا فیصلہ جس میں نوید ہے حالات کے مثبت پلٹا کھانے کی، جس میں امید ہے ظلم کے آگے دیوار کھڑی کرنے کی۔ اس پر عمل کروائیے۔ خصوصی ٹاسک فورس اور سپیشل پولیس کا قیام ابھی تک محض کاغذوں پر ہے۔ محب وطن شہری جو انتہاپسندوں کے نشانے پر ہیں ان کے جان و مال، آبرو، عبادت گاہیں حتیٰ کہ ان کے قبرستان بھی محفوظ نہیں۔ ریاست کے یہ شہری حق رکھتے ہیں کہ ان کو اپنے وطن میں تحفظ فراہم کیا جائے۔ اور خالی تقاریر سے تحفظ فراہم نہیں ہوتا۔ اگر پشاور میں چرچ پر حملہ ہونے پر آرٹیکل 184(3) کے تحت جسٹس تصدق حسین جیلانی از خود نوٹس لے سکتے ہیں تو آپ کی نظروں سے روز ایسی خبریں گزرتی ہیں جن کی وجہ سے آپ کے ذہن کی کھڑکی پر جسٹس کارنیلیس کے اوصاف کو دستک دینی چاہیے

زمینی حقائق یہ ہیں کہ چیف جسٹس تصدق حسین جیلانی، جسٹس شیخ عظمت سعید اور جسٹس مظہر عالم کا یہ تاریخی فیصلہ ۱۹ جون 2014 کو نافذ العمل ہوا۔ 2019 تک جب اس فیصلہ پر عمل نہ ہوا تو سپریم کورٹ نے ڈاکٹر شعیب سڈل کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ اس فیصلہ پر عملدرآمد کی نگرانی کریں اور ہر ماہ اپنی رپورٹ سپریم کورٹ میں جمع کروائیں۔ تب اس کام میں ہلچل ہوئی۔ پشاور کا وہ چرچ بھی از سرِ نو مرمت ہوا۔ کٹاس کے مندر پر کام جاری ہے۔ اس حوالے سے ۴/اپریل کو میری شعیب سڈل سے اسلام آباد میں ایک لمبی نشست رہی۔ انہوں نے تصدق حسین جیلانی فیصلہ کی ایک کاپی بھی مجھے عنائت کی۔ بقول چیئرمین سڈل کے اس فیصلہ پر عمل

کروانے میں قدم قدم پر رکاوٹیں ہیں۔ مرکز اور چاروں صوبائی حکومتوں کو اس فیصلہ پر عمل درآمد کروانے میں کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ ہر ماہ اپنے کام کی رپورٹ سپریم کورٹ میں جمع کروا رہے ہیں لیکن اس رپورٹ پر سپریم کورٹ کا ری ایکشن حوصلہ افزا نہیں۔ اداروں سے باز پرس نہیں کی جا رہی کہ فیصلہ پر عمل کیوں نہیں کیا جا رہا یا عمل کی رفتار اس قدر سست کیوں ہے۔ ایک اور کام جو شعیب سڈل کے ذمہ لگایا گیا وہ اقلیتی فرقوں کی جائدادوں پر قبضہ اور مالیت کے اندازہ لگانے سے متعلق تھا۔ دس ارب روپے کی کرپشن کا پتہ چلایا گیا اور اب دو ارب روپے کرایہ کی مد میں اقلیتی تنظیموں کو مل رہے ہیں۔ یہ ایک جھلک ہے ان حالات وواقعات کی جس کا سامنا محکوم طبقات کو کرنا پڑ رہا ہے۔ لاہور میں ہونے والے اس سیمینار جس میں تصدق حسین جیلانی بھی اسٹیج پر تشریف فرما تھے مقصد یہی تھا کہ سپریم کورٹ کو 2014ء میں ہونے والے فیصلہ کی یاد دہانی کروا دی جائے۔ اور یہ بھی بتا دیا جائے کہ تاریخ میں زندہ رہنے کے لیے جسٹس کارنیلیس بننا پڑتا ہے۔

عدل و انصاف فقط حشر پہ موقوف نہیں
زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

ہماری قوم کی اصلیت۔ اسمعیل بدایونی

تقسیم ہند کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ سب تاریخ کا حصہ ہے کہ کون قیام پاکستان کا حامی تھا کون مخالف؟ جتنے جاگیردار تھے انگریز کے پٹھو تھے۔ علاوہ ازیں جمعیت علمائے ہند، جماعت اسلامی، احرار پارٹی سمیت کئی مذہبی پارٹیاں قیام پاکستان کی مخالف تھیں۔ قائد اعظم اور علامہ اقبال پر کفر کے فتوے لگائے جاتے تھے۔ ملک آزاد ہوتے ہی یہ پارٹیاں ملک کی ٹھیکیدار بن گئیں۔ جس طرح فتح مکہ کے دن فرزندان توحید کی تلواروں سے ڈر کر حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں کو جب حکومت ملی تو انہوں نے اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ کس نے کتنا علاقہ فتح کیا کون سیاسی طور پر کتنا کامیاب تھا یہ سوال اتنا اہم نہیں۔ سوال یہ ہے کہ حضور پاک کی تشکیل کردہ ریاست کو کس نے حضور پاک کی تعلیمات کے مطابق چلایا کس نے ذاتی خواہشات کی پیروی کی اور اسلامی اصولوں کی خلاف ورزی کی؟ اسلام حق کی بات کرتا ہے طاقت پرستی کی نہیں۔ امریکہ دنیا کا ایک طاقتور ملک ہے کیا اس بنیاد پر اس کے صدر کی پوجا کی جائے؟؟؟

مشہور ڈرامہ نگار۔ اصغر ندیم سید
کا ریٹائرمنٹ کے بعد لکھا گیا نوٹ

میں ایک یونیورسٹی پروفیسر ہوں۔ اپنی مدت ملازمت پوری ہونے پر ریٹائر کر دیا گیا ہوں۔ مجھے بخوشی فارغ کر دیا گیا کیونکہ جو میں پڑھانا چاہتا تھا، مجھے نہیں پڑھانے دیا گیا۔ اوسط درجے کے معمولی چاپلوس پروفیسر مجھے شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حاسد اور حسرتوں کے مارے پروفیسر میرے خلاف نالائق طالب علموں کو استعمال کر کے سازشیں کرتے تھے۔ میں خاموشی سے سب دیکھتا رہا۔ باہر کی یونیورسٹیوں اور ملکوں سے کانفرنس میں شرکت کے دعوت نامے غائب کرتے رہے۔ مارشل لاء حکومتوں میں میرے جیسے اساتذہ کے خلاف پمفلٹ نکالتے رہے۔ خوشامد کے زور پر ہر طرح کی ترقیاں لینے والے Best Teacher ایوارڈ لیتے رہے۔ پڑھانے کی بجائے وائس چانسلروں کے ذاتی کام کرتے رہے۔ ترقیوں کے لئے ریسرچ کے نام پر بھوسہ بھرے پیپرز چھپواتے رہے۔ بڑی کامیابی سے غیر جمہوری حکومتوں کو اخلاقی جواز فراہم کرتے رہے۔ جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کا نعرہ لگانے والے جابر سلطانوں کے جوتے چاٹتے رہے۔ میں یہ سب دیکھتا رہا۔ اور میں اُن کی بنائی ہوئی ترتیب شدہ کتابیں پڑھانے پر مجبور ہوتا رہا۔ یونیورسٹیوں کے کلچر میں علم اور شفافیت کی جگہ تعصب، تنگ نظری اور سازشوں کو پلتے دیکھتا رہا۔ ہم اندھوں میں کانے راجے پیدا کرنے کو اپنی کامیابی سمجھتے رہے۔ میں جو پڑھانا چاہتا تھا، نہ پڑھا سکا اور جو نہیں پڑھانا چاہتا تھا وہ پڑھانے پر مجبور ہوا۔ آج اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے جو شاگرد پیدا کیے وہ ڈاکٹر، انجینئر، بینکر اور اُستاد بنے۔ مگر اُن میں ایک آنچ کی کسر رہ گئی۔ اس کا اندازہ مجھے وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔ جب میں اپنے زخموں کے علاج کے لئے چھ دن ہسپتال میں رہا تو چھ لاکھ کا بل دیکھ کر بلبلا اُٹھا۔ میرے کسی شاگرد نے کان میں کہا، ”سر یہ تو آپ کو دینا پڑے گا کہ آپ نے ہمیں جو پڑھایا اُس میں تو یہی کچھ ممکن ہے۔“ پھر جب میں انجیوگرافی کے لئے داخل ہوا تو میرے شاگرد ڈاکٹر نے میرے کان میں کہا، ”سر اگر سرکاری علاج کرانا ہے تو دو سال بعد باری آئے گی اور اگر جیب سے علاج کرائیں گے تو دس منٹ میں باری آجائے گی۔“ میں نے اس کی طرف دیکھا اس نے کہا ”جو آپ نے پڑھایا اُس

میں بس یہی ہوسکتا ہے۔‘‘ایک دن کسی کام سے سیکریٹریٹ گیا۔سیکریٹری کو نام کی چٹ بھیجی، اُس نے نہیں بلایا۔ میں ڈھیٹ بن کے بیٹھا رہا۔ جب کسی میٹنگ میں جانے کے لئے نکلا تو میں سامنے آ گیا۔ میں نے کام بتایا۔اس نے کہا’’سر یہ کام ممکن نہیں ہے۔آپ نے ہمیں جو پڑھایا تھا اُسے بھلانے میں بہت وقت لگا ہے۔ بڑی مشکل سے وہ سب بھلا کر اس جگہ پہنچا ہوں۔ میں کچھ نہیں کرسکتا۔‘‘ایک دن میرے گھر کی بجلی کئی گھنٹے تک نہ آئی تو میں ایس ڈی او کے پاس گیا اور اُس نے مجھے دیکھ کر کہا۔’’سر جو کچھ آپ نے ہمیں پڑھایا تھا۔اُس میں تو یہ جو بجلی آپ کو مل رہی ہے۔ یہ بھی نہیں ملنی چاہیے۔‘‘ آج مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں نے لولی لنگڑی اور اُداس نسلیں پیدا کرنے میں حصہ لیا ہے۔تنگ نظری اور تعصب نے پڑھے لکھوں میں کیسے راستہ بنایا۔ پھر کس طرح انتہا پسندی ہمارے معاشرے میں اعتبار حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔ کس طرح بڑے بڑے کالم نگاروں، سیاسی رہنماؤں، دانشوروں اور بیوروکریٹس نے انتہا پسندوں اور دہشت گردوں کو جواز فراہم کیے۔ جب ایک خودکش حملہ آور اپنے دل، دماغ اور آنکھ پر پٹی باندھتا ہے تو اس کا ذمہ دار میں اپنے آپ کو سمجھتا ہوں۔ یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل ہو کر معصوم اقلیتوں اور مسلمانوں کو جب عبادت گاہوں میں بارود سے اُڑاتے ہیں تو اس میں کچھ حصہ میرا بھی ہے۔آج میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے کیا پڑھانا چاہیے تھا۔ میری بڑی خواہش تھی میں یہ پڑھاؤں کہ اللہ کو خوبصورتی پسند ہے۔ جمالیات کیا ہوتی ہے۔اس کا فلسفہ کیا ہے۔ جمالیات کے فلسفے پر کئی کتابیں موجود تھیں۔ ہم نے اُن کی طرف رجوع نہ کیا۔ جمالیات کو سمجھے بغیر ہم سبحان اللہ کہنے کی پوزیشن میں نہیں آ سکتے۔ مجھے کسی نے یہ پڑھانے نہیں دیا کہ خوبصورتی کی تحسین کیسے کرنا ہے۔اس میں تمام فنون لطیفہ کی بحثیں آ جاتی ہیں۔ میں جغرافیہ لازمی کرنا چاہتا تھا کہ اللہ کو سمجھنے کی سیڑھی جغرافیہ ہے۔اُس کی زمینیں، اُس کے موسم، اُس کے جنگل، اُس کے دریا، اُس کے سمندر اور پھر سمندروں میں حیات، جنگلوں میں حیات۔ پرند چرند۔اُن کی نسلیں۔ ان کی عادات کا مطالعہ کرنا چاہتا تھا۔ جانوروں سے وابستہ منفی تصورات کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ یہ کام ہم نے نہ کیا، غیروں نے کیا۔ نیشنل جیوگرافک چینل سے بہتر یونیورسٹی نہیں ہے۔

میں پڑھانا چاہتا تھا کہ ہماری تاریخ کب سے شروع ہوتی ہے۔ میں انسانی تاریخ پڑھانا چاہتا تھا۔ مجھے اغواء شدہ پاکستانی تاریخ پڑھانے پر لگا دیا گیا۔ ظالم بادشاہوں کے قصیدے پڑھنے والے مورخوں نے وہ ٹیڑھی اینٹ رکھ دی جس پر جو عمارت بھی تعمیر ہوئی اُس کی غلام گردشوں میں ضیا الحقوں نے ٹک ٹکیاں لگا دیں۔ بھٹو کے قاتلوں کی پھانسی کے میلے میں پکوڑے اور گول گپے بیچنے والوں نے چاندی کمائی اور انسانوں کو بے حس کرنے کا عمل شروع ہو گیا۔ میں تاریخ مسخ کرنے والوں کی نشاندہی کرنا چاہتا تھا۔ مجھے ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ کن لوگوں نے نظریہ پاکستان کو پوری قوم سے ٹھگ لیا۔ اور پھر اُس پر لمبی چوڑی مارکیٹنگ کی۔ جو اب تک جاری ہے۔ میں طلبا کو بتانا چاہتا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں، کن کونے کھدروں سے کیڑے مکوڑوں کی طرح نکلے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر قائداعظم کو ٹھگنے والے بونوں اور ٹھگنے قد کے لوگوں کو طلباء سے متعارف کرانا چاہتا تھا۔ مجھے روک دیا گیا۔ میں طلباء کو پڑھانا چاہتا تھا کہ ایوب خان کس طرح فیلڈ مارشل بنا اور اُس کے مشیروں نے ادب اور ادیبوں کو خریدنے کے لئے کس طرح کے گماشتے مقرر کیے۔ اُس نے شاہی قلعے میں حسن ناصر کو کیسے شہید کیا۔ کس طرح دانشوروں، سیاست دانوں اور باضمیر لوگوں کو ساری رات جگانے کے لئے حربے استعمال کیے۔ ان کے ناخن کس طرح پلاس سے اُکھاڑے گئے۔ کس طرح ان کی چیخوں کو دبانے کے لئے اقدامات کیے گئے۔ ضیاالحق نے کس طرح ادیبوں، شاعروں، وکیلوں (اُس وقت کے وکیلوں) کسانوں اور صحافیوں کے ننگے جسموں پر کوڑوں کے ساتھ گرم پانی کی بوچھاڑ کروائی۔ کس طرح یہ لوگ پاگل ہوئے اور اُن کے گھر والوں نے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اداکارہ شبنم کیس میں راتوں رات ضیاءالحق نے پھانسی کے مجرموں کو کس طرح معافی دلوائی۔ کون شبنم کے گھر گیا اور اُس سے معافی نامہ لے کر آیا۔ میں یہ طلباء کو بتانا چاہتا تھا۔ میں طلباء کو پڑھانا چاہتا تھا کہ سعادت حسن منٹو جب پاکستان آئے ہم نے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ چھوٹی عدالتوں میں کس طرح ذلیل کیا۔ روزگار کے سارے دروازے بند کر دیے۔ دس روپے میں تخلیقی مشقت پر افسانہ لکھوایا۔ قسطوں میں نہیں، یک مُشت مرنے پر مجبور کر دیا۔ پاک ٹی ہاؤس میں اُسے دیکھ کر قیوم نظر اور شہرت بخاری ٹائلٹ میں ڈر کے کیوں گھسے تھے۔ بقول منٹو اُس نے تو کبھی بھی اُن سے اُدھار نہیں لیا تھا۔ میں منٹو کے افسانے،’’کھول دو‘‘،’’ٹھنڈا گوشت‘‘،’’موذیل‘‘،’’بابو گوپی ناتھ‘‘،’’ٹوبہ ٹیک سنگھ‘‘،’’شہید ساز‘‘ اور’’ننگی آوازیں‘‘ پڑھانا چاہتا تھا۔ کورس مرتب کرنے والوں نے مجھے روک دیا اور جن اصحاب علم وادب

نے یہ راستہ روکا وہ اس وقت بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں پروفیسر ایمریطس ہیں۔ میں فیض کی نظم ''ڈھاکہ سے واپسی پر'' پڑھانا چاہتا تھا اور طلباء کو اس مصرعے کا مطلب سمجھانا چاہتا تھا۔ ''خون کے دھبے دُھلیں گے کتنی برساتوں کے بعد''۔ میں ناصر کاظمی کی غزل طلباء کو پڑھانا چاہتا تھا۔ جو سنہ 1971ء کے بعد لکھی گئی۔ ''وہ کشتیاں چلانے والے کیا ہوئے'' مجھے بس یہ بتانا تھا کہ وہ بھٹیالی گانے والے ہمارے طرزِ احساس سے کیسے نکل گئے اور مشرقی پاکستان کی ستاون فلمیں جو یہاں ریلیز ہوئیں وہ ہماری فلم انڈسٹری کو یکسر تبدیل کرنے ہی والی تھیں کہ سفر رُک گیا۔ میں بتانا چاہتا تھا کہ قرۃالعین حیدر، بڑے غلام علی خان اور ساحرلدھیانوی پاکستان چھوڑ کر کیوں چلے گئے اور سجاد ظہیر کو مچھ جیل میں کیوں بند کیا گیا۔ میں بہت کچھ پڑھانا چاہتا تھا۔ انتظار حسین کا ''شہرِافسوس''، ''بستی'' اور ''ہندوستان سے آیا ہوا خط'' مجھے نہیں پڑھانے دیا گیا۔ میں امر جلیل کی کہانیاں اور شیخ ایاز کی نظمیں پڑھانا چاہتا تھا۔ اور وہ سارا عالمی لٹریچر اور اپنی زبانوں کا لٹریچر جسے ہم نے اپنے طلباء سے چھپا لیا، وہ سب پڑھانا چاہتا تھا۔ اس طرح میں بھی کوتاہ قدرہ گیا اور میرے طلباء بھی۔ آئینیسکو نے ایک ڈرامہ لکھا تھا، ''کرسیاں (The Chairs)''۔ اس میں ایک ریٹائرڈ افسرات کے کھانے پر شہر کے تمام بڑے عہدے والے افسروں کو دعوت پر بلاتا ہے۔ جب وہ ایک ایک کر کے آتے ہیں تو سٹیج پر اُن کے وجود کے بجائے اُن کی صرف کرسیاں رکھی جاتی ہیں۔ ان کرسیوں سے میزبان گفتگو کر کے بتاتا ہے کہ صاحب درحقیقت تو تم صرف کرسیاں ہو۔ تم اس سسٹم میں اپنی شناخت گم کر بیٹھے ہو۔ میں بھی ایک ڈنر پر سب بڑے لوگوں کو بلا کر یہ اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ میں جو پڑھانا چاہتا تھا کیوں نہیں پڑھا سکا۔ مگر میرا یہ اعتراف صرف خالی کرسیوں سے ہوگا کہ وہ سب افسر اپنا وجود نہیں رکھتے۔ (اصغر ندیم سید)

ہمارے ہی اجداد

یہ کوئی اور نہیں ہمارے ہی اجداد ہیں جو انگریز کا ایک من وزن صرف ایک روپے میں راولپنڈی سے مری تک لے کر جاتے، ان کے پاؤں میں جوتی تک نہیں ہوتی، پنڈی سے مری ستر کلومیٹر کا سفر ایک من وزن اُٹھا کر دو دن میں مکمل ہوتا۔ یہ لوگ انگریز کی خدمت کرتے، اپنی پیٹھ پر سوار کر کے سیر کراتے اور انگریز خوش ہو کر اپنا بچا ہوا کھانا انہیں دے دیتا۔۔ ہمارے اجداد نے ہی انگریزوں کی نوکریاں کیں تنخواہ لے کر اپنے ہی لوگوں سے لڑتے رہے۔ انگریز نے ہندوستان پر سو سال حکومت کی، اس دوران کبھی بھی انگریزوں کی مجموعی تعداد پچیس ہزار سے زیادہ نہیں رہی۔ یہاں انگلینڈ میں ایک مائیگریشن رجسٹر ہے جس میں برطانیہ سے ہندوستان جانے والے 15،447 فوجیوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ تین لاکھ ہندوستانی تھے جو انگریزی فوج میں بھرتی ہوئے۔ بنگال رجمنٹ، پنجاب رجمنٹ، بلوچ رجمنٹ انگریزوں نے بنائی برصغیر کے بھوکے ننگے دو چار روپے ماہانہ وظیفے پر لڑنے مرنے کو تیار تھے۔ پلاسی کی جنگ میں سراج الدولہ کے خلاف انگریزی فوج میں نوے فیصد ہندوستانی ہی تھے، غداری کرنے والا بھی میر جعفر ہی تھا۔ سلطان حیدر علی اور اس کے بیٹے ٹیپو سلطان کے خلاف چار جنگیں لڑنے والے کون تھے؟ سرنگا پٹم۔۔

قبرستان میں کتے کی تدفین اور قاضی صاحب

عاصی صحرائی

ایک شخص نے ایک کتے کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا، لوگوں نے قاضی کے پاس جا کر اس شخص کی شکایت کی، اس شخص کو قاضی کے پاس طلب کیا گیا، قاضی نے غضبناک ہو کر اس سے پوچھا: کیا تم نے ہی مسلمانوں کے قبرستان میں کتے کو دفن کیا تھا؟ اس شخص نے کہا ہاں!....... کتے کی وصیت میں نے پوری کر دی قاضی نے کہا تیرا ستیاناس ہو، ایک تو کتے کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا اوپر سے میرا مذاق اُڑا رہے ہو!؟ اس شخص نے کہا: حضور ایسی بھی کیا جلدی ہے؟ پہلے کتے کی پوری وصیت تو سن لیں....اس کتے نے ایک ہزار دینار دیکر مجھے کہا تھا کہ مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا اور یہ ایک ہزار دینار کی تھیلی قاضی صاحب کو دینا کتے کی وصیت سننے کے بعد کچھ دیر قاضی صاحب نے غور کیا اور پھر کہا: اللہ اس فقید المثال کتے پر رحم فرمائے۔ قاضی کی بات سن کر لوگ حیران رہ گئے قاضی نے کہا: تم لوگ حیران کیوں ہو رہے ہو؟ میں نے اس کتے پر غور کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا یہ کتا اصحابِ کہف کے کتے کی نسل سے تھا۔ سبق: پیسے سوچ کو تبدیل کر دیتے ہیں: الفلوس تغیّر النفوس۔ یہی حال آج کل کچھ اداروں اور ججز کا ہے جنکو پیسے کے آگے کچھ نہیں نظر آتا.....نہ خالق نہ خلقت، نہ ملک نہ ملت، نہ موت نہ قبر، نہ حساب نہ حشر، نہ جہنم نہ عذاب، ایسے ظالم فرعون لوگوں کا پیٹ صرف قبر کی مٹی ہی بھرے گی! ۔

***

مستنصر حسین تارڑ کی ایک دلچسپ تحریر

سکول کے زمانے میں ایک حکایت پڑھی تھی کہ ایک کمرخمیدہ بڑھیا کو گلی کے بچے چھیڑتے تھے کہ اماں یہ کمان کہاں سے حاصل کی تو اس نے کہا کہ بیٹے جب تم میری عمر کو پہنچو گے تو ایسی کمان تمہیں بھی مل جائے گی تب ہم اس حکایت پر ہنسا کرتے تھے اور اب یہی حکایت یاد آتی ہے تو رونا آتا ہے کہ بڑھیا نے بھی کیا پتے کی بات کی تھی ویسے اپنی عمر ابھی اتنی نہیں ہوئی کہ ہمیں وہ کمان خود بخود حاصل ہو جائے لیکن بڑھاپے میں اور کمانیں بھی ہوتی ہیں جو آپ نہ بھی چاہیں تو قدرت کی جانب سے مل جاتی ہیں اور ان میں ایک کمان مخبوط الحواسی کی ہے جو الحمدللہ مجھے مل چکی ہے۔

بچپن میں ہی جب ہم مخبوط الحواس بوڑھوں کے قصے سنتے تھے تو ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ یہ وقت ہم پر بھی آئے گا۔ مثلاً مجھے چراغ دین دکاندار یاد آتا ہے جو ہر صبح اپنی دکان کھول کر اس میں خود ہی جھاڑو دیا کرتا تھا جھاڑو دیتے ہوئے گرد اٹھتی تو اسے احساس ہوتا کہ یہ گرد اس کے کپڑوں پر پڑ رہی ہے وہ اسی جھاڑو سے اپنے کوٹ کی گرد صاف کرتا اور پھر سے صفائی میں مشغول ہو جاتا۔ اسی بازار کے ایک صاحب نے چراغ دین کو کہا کہ بھئی تم اسی جھاڑو سے اپنا کوٹ بھی صاف کر لیتے ہو تو کیا یہ مناسب ہے۔ تو چراغ دین نے جواب دیا تھا کہ چوہدری صاحب جھاڑو صفائی کے لئے ہوتا ہے نا۔ فرش نہ صاف کیا اپنا کوٹ صاف کر لیا تو اس میں حرج کی کیا بات ہے۔ چراغ دین یوں تو نہایت ہوشیار کاروباری تھا لیکن آخری دموں تک اپنے کوٹ کو جھاڑو سے ہی صاف کرتا رہا۔

ان دنوں مجھے بھی محسوس ہو رہا ہے کہ میں کچھ کچھ چراغ دین ہوا جا رہا ہوں یعنی مجھے بھی مخبوط الحواسی کی کمان عطا ہو گئی ہے۔ یعنی پین میں سیاہی بھری ہے لکھنے کے لئے کاغذ میز پر رکھے ہیں اور اسی دوران بھول گیا ہوں کہ پین میں سیاہی بھر چکا ہوں تو دوبارہ بھرنے لگتا ہوں اور حیرت زدہ ہوتا ہوں کہ کمال ہے رات کو اسی پین سے چھ صفحے ناول کے لکھ چکا ہوں اور ابھی تک اس میں کافی مقدار میں سیاہی موجود ہے۔

یوسفی صاحب اس نوعیت کے حوالے دیتے تھے تو ہم سمجھتے تھے کہ موصوف مزاح تخلیق کرنے کی خاطر بے سروپا باتیں بیان کرتے ہیں اور اب جا کر کھلا ہے کہ بے چارے اپنی عمر بیان کر رہے ہیں ہم اسے مزاح کے کھاتے میں ڈال رہے تھے۔ اسی پین میں دوبارہ سیاہی بھرنے سے یاد آیا کہ یوسفی صاحب نے کہیں لکھا ہے کہ اب تو یہ حالت ہے کہ لوٹا ہاتھ میں تھامے حیران کھڑے ہیں کہ غسل خانے سے ہو آئے ہیں یا ابھی جانا ہے۔ اگر ابھی جانا ہے تو لوٹا خالی کیوں ہے اور اگر جا کے آ رہے ہیں تو پیٹ میں ابھی تک گڑگڑ کیوں ہو رہی ہے۔ غسل خانے کا تذکرہ چل نکلا ہے تو چلئے ابھی دو چار روز پیشتر جو ہم پر بیتی ہے وہ بیان کر دیں اور بے شک ہماری بیگم سے دریافت کر لیجیے کہ یہ وقوعہ جوں کا توں گذرا تھا چونکہ ان دنوں پانی کی ٹینکی ادھر بھریں تو ادھر خالی ہو جاتی ہے کیونکہ گھر کے فرش کے نیچے پائپ ایک مدت سے دفن زنگ آلودہ ہو چکے ہیں اور ان میں کوئی شگاف پیدا ہو چکا ہے چنانچہ سارا پانی بہہ جاتا ہے اور جانے کہاں جاتا ہے۔

متعدد پلمبر حضرات آئے ہیں ادھر ادھر سے ٹھونک بجا کر فرش اُکھاڑ کر دیکھ چکے ہیں تھوڑی بہت مرمت کے بعد اعلان کر چکے ہیں کہ لیجیے تارڑ صاحب آپ کی ٹینکی میں سے اگر پانی کا ایک قطرہ بھی ضائع ہو تو مجھے پھانسی لگا دیجئے گا۔ جو معاوضہ ادا کرتا ہوں اس سے میری جیب خالی ہو جاتی ہے اور کچھ دیر بعد پانی سے بھری ہوئی ٹینکی بھی خالی ہو جاتی ہے یعنی خالی ٹینکی دیکھ کر پلمبر کو پھانسی لگانے کا ارادہ کر لیتا ہوں لیکن اس دوران اس کا نام بھول جاتا ہوں چنانچہ ارادہ ترک کرنا پڑتا ہے۔ اب میں گلی گلی گھوم کر یہ آواز تو نہیں لگا سکتا کہ وہ کون سا پلمبر ہے جس نے میری ٹینکی ٹھیک کی تھی، پلیز وہ آ جائے میں اسے پھانسی لگانا چاہتا ہوں بہرحال ٹینکی خالی ہونے سے ٹھنڈا پانی بھی کم دستیاب ہوتا ہے تو بھلا گرم پانی کہاں سے آئے گا۔ چنانچہ اس کے حصول کے لئے روایتی اور ثقافتی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے یعنی چولہے پر دیگچہ چڑھا کر پانی گرم کر لیا جاتا ہے اور پھر اسے کسی نہ کسی طرح اُٹھا کر غسل خانے میں رکھی بالٹی میں اُلٹا دیا جاتا ہے۔ دو چار روز پیشتر نہانے کی تیاری کی ہے۔ اُبلتے ہوئے پانی کا دیگچہ بمشکل اُٹھایا ہے، غسل خانے میں گیا ہوں اور وہ پانی سنک میں انڈیل کر دیگچہ واپس باورچی خانے میں رکھا ہے۔ غسل خانے کو مقفل کر کے نہانے لگا ہوں اور پانی کا درجہ حرارت چیک کرنے کے لئے بالٹی میں ہاتھ ڈالا ہے تو وہ ٹھنڈا ٹھار۔ اب سمجھ نہیں آ رہی کہ اتنا اُبلتا ہوا پانی ٹھنڈے

پانی میں انڈیلا ہے تو وہ بدستور ٹھنڈا کیوں ہے۔ اسی ٹھنڈے پانی سے ٹھٹھرتے ہوئے اشنان کیا۔ باہر آ کر ہیٹر جلایا، اپنے آپ کو سینکا اور بیگم سے رہنمائی چاہی۔ اس نے حلفیہ بیان دیا کہ تم میرے سامنے گرم پانی کا دیگچہ اُٹھا کر غسل خانے میں گئے ہو اور پھر خالی دیگچہ اُٹھائے واپس آئے ہو۔ ویسے تم نے گرم پانی بالٹی میں ہی انڈیلا تھا ناں اور تب جا کر یکدم یاد آیا کہ او ہو اسے تو سنک میں انڈیل آیا تھا۔ میں نے کیوں ایسا کیا تھا اس کی کوئی نفسیاتی وجہ بھی ہو سکتی ہے لیکن آپس کی بات ہے میں کچھ کچھ نہیں بہت کچھ چراغ دین ہو چکا ہوں۔ میں اور میری بیگم نہایت باقاعدگی سے ہر صبح ماڈل ٹاؤن پارک میں سیر کے لئے جاتے ہیں پارک میں داخل ہوتے ہی ہم مخالف سمتوں میں چلنے لگتے ہیں کہ بھلا ایسی پر فضا صبح میں اگر پھر ایک دوسرے کے چہرے ہی دیکھنے کو ملیں تو فائدہ۔

سیر سے فارغ ہو کر میں دوستوں کے ہمراہ بیٹھ جاتا ہوں اور وہ کچھ فاصلے پر خواتین کے ایک گروپ میں شامل ہو کر گپیں لگانے لگتی ہے۔ نو بجے کے قریب میں اُٹھتا ہوں تو وہ بھی اپنی سہیلیوں سے اجازت لے کر چلی آتی ہے اور ہم گھر لوٹ آتے ہیں۔ پچھلے ہفتے میں اس کے اُٹھنے کا منتظر رہا لیکن وہ نہ آئی سب دوست چلے گئے اور میں اس کا انتظار کرتا رہا۔ چونکہ میں کبھی بھی ادھر نہیں جاتا جدھر خواتین کا اجتماع ہوتا ہے اس لیے بیٹھا رہا اس دوران شیخ ایوب تشریف لائے اور کہنے لگے تارڑ صاحب خیریت ہے ابھی تک بیٹھے ہیں۔ میں نے کہا کہ جی وہ بیگم وہاں سے اُٹھنے کا نام ہی نہیں لیتیں۔ وہ کہنے لگے میں اپنی بیگم کو لینے ادھر جا رہا ہوں تو آپ کی بیگم کو بھی اطلاع کر دوں گا کہ آپ انتظار کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد شیخ صاحب مسکراتے ہوئے واپس آئے اور کہنے لگے تارڑ صاحب میری بیگم کہتی ہیں کہ آپ کی بیگم تو آج سیر کے لئے آئی ہی نہیں تو وہاں کیسے ہو سکتی ہیں اور تب یاد آیا کہ او ہو واقعی آج تو میں اکیلا ہی پارک میں آیا تھا۔

قارئین میں اپنی ہڈ بیتی بیان کر رہا ہوں مزاح تخلیق کرنے کی کوشش نہیں کر رہا اس لیے ہنسنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میری عمر کو پہنچیں گے تو اسی نوعیت کا مزاح تخلیق ہوگا۔

صلہ رحمی

رجل خوشاب

کل میں اپنے بیوی بچوں کے لیے کچھ سوٹ خرید کر لایا اور میں نے اپنی اہلیہ اور بچیوں سے کہا کہ یہ سوٹ آپ سب کے لیے ہیں بڑی بیٹی نے فوراً دو سوٹ پسند کر لیے اور دو سوٹ اپنی ماں کے لیے بھی سلیکٹ کر لیے اور باقی کے دو سوٹ اپنی منجھلی بہن کو دے دیئے۔ میں نے تسلی سے مسکراتے ہوئے کہا کیا آپ عالمہ بن رہی ہیں؟ بیٹی نے میری جانب دیکھا اور جھجکتے ہوئے سر جھکا کر کہا کہ کیا غلطی ہو گئی؟ میں نے کہا آپ نے وہ حدیث نہیں پڑھی جس میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تعلیم دی ہے کہ جو اپنے لیے پسند کرو وہی اپنے مسلمان بھائی کے لیے پسند کرو۔ بیٹی نے کہا بالکل پڑھی ہے تو میں نے کہا لیکن آپ نے اپنے لیے جو سوٹ پسند کیے وہ منجھلی بہن کے لیے پسند نہیں کیے بلکہ جو بچ گئے وہ اسے دے دیئے۔ بڑی بیٹی کو احساس ہوا تو اس نے وہ سوٹ منجھلی بہن کو دے دیئے اور منجھلی بہن نے بھی خوشی خوشی قبول کر لیے انہیں بھی سمجھایا کہ ایسی صورت حال میں ایثار کرنا چاہیے اور بہن کو کہنا چاہیے تمہیں یہ پسند ہے تو لے لو، یہ تعلیم تو آپ کے لیے بھی ہے نا! پھر میں نے انہیں قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا ایک قصہ سنایا کہ قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی ایک غریب بستی میں جہاں سب ہی فاقے سے تھے تو کسی ایک گھر میں بکری کی سری کسی نے تحفے میں بھیج دی گر چہ وہ پوری فیملی بھی فاقے سے تھی لیکن انہوں نے یہ سوچ کر کہ شاید ہمارا مسلمان بھائی ہم سے زیادہ ضرورت مند ہو پڑوس میں بھیج دی جس گھر میں گئی اس نے بھی یہ سوچ کر اگلے گھر میں بھیج دی یہاں تک کہ وہ بکری کی سری واپس گھوم کر اسی گھر میں آ گئی۔ پھر گھر والوں نے اس کا سالن بنایا اور آس پڑوس میں تقسیم کر دیا۔ میرے بچو! دین دماغ میں بٹھا کر بڑی بڑی تقریریں اور تحریریں لکھنے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ وجود پر نظر آنا چاہیے ایک مثال سے سمجھو۔ آپ کے پاس لیپ ٹاپ ہے؟ بچوں نے کہا کہ ہاں بالکل ہے۔ میں پوچھا اس میں ونڈو بھی ہے کیا؟ کہنے لگے بابا بغیر ونڈو انسٹال کیے وہ لیپ ٹاپ کسی کام کا ہی نہیں بلکہ محض کچرا ہے۔ میں نے کہا بھئی ونڈو کاپی کروا اور صرف ہارڈ ڈرائیو میں پیسٹ کر دو بچوں نے کہا پھر بھی کوئی فائدہ نہیں جب تک ونڈو کا سیٹ اپ نہ چلایا جائے۔ بس بچو یہ ہی بات تمہیں سمجھانی تھی کہ اگر دین اسلام صرف دماغ کی ہارڈ ڈرائیو میں رہے گا تو فائدے مند نہیں ہوگا جب تک ہمارے وجود میں انسٹال نہ ہو جائے اور دین کے سیٹ اپ کے بغیر ہمارا وجود محض کچرے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھے گا۔ یہ نصیحت سب سے پہلے میرے لیے پھر آپ کے لیے اور پھر ہر اس شخص کے لیے ہے جو خود کو بدلنا چاہتا ہے۔ اپنے بچوں کو وقتاً فوقتاً ایسی نصیحت کرتے رہا کیجیے ان کی پرورش ہی نہیں بلکہ تربیت بھی آپ ہی کی ذمے داری ہے۔)

محترم سرافتخار احمد ایاز صاحب کو The King's Coronation Medal عطا ہونے پر قندیل ادب انٹرنیشنل کی جانب سے مبارک صد مبارک۔

His Excellency Sir Iftikhar Ayaz, KBE (Knight Commander of the Most Excellent Order of the British Empire) LONDON, UK In appreciation of your long services to the Realms of His Majesty King Charles III, we are pleased to inform you that you have been awarded The King's Coronation Medal. By these presents affirm you to be a Recipient of the said

Medal enjoying all privileges appertaining.

Teka Aviata
Office of the Governor General of Tuvalu

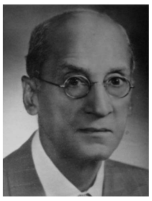

پاکستان کے پہلے چیف جسٹس
سر میاں عبدالرشید صاحب

کوئی BMW نہیں بلکہ اس کے قلم میں سیاہی کا آخری قطرہ ریاست کا تھا۔ یہ پاکستان کے پہلے چیف جسٹس تھے۔ سر میاں عبدالرشید اپنی اہلیہ مرضیہ خانم کے ساتھ تقریباً 1914 میں۔ جب یہ تصویر لی گئی تھی تو وہ ایک نئے قابل بیرسٹر تھے۔ انہوں نے اپنی قانونی پریکٹس ملتان میں شروع کی اور بعد میں لاہور چلے گئے جہاں وہ سر محمد شفیع کے چیمبر میں شامل ہو گئے۔ 1925 میں ان کی تقرری اسسٹنٹ لیگل ریمیبرنس، پنجاب کے عہدے پر ہوئی۔ بعد میں، وہ 1933 میں 44 سال کی عمر میں لاہور ہائی کورٹ کے جج بنے۔ 1946 میں، وہ اس عدالت کے چیف جسٹس مقرر ہوئے۔ تقسیم کے بعد، وہ پاکستان کے پہلے چیف جسٹس بن گئے، جو نئی بننے والی ریاست میں سینئر ترین جج تھے۔ جسٹس رشید کو پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے قائداعظم سے حلف دلانے کا واحد اعزاز حاصل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب وہ چیف جسٹس آف پاکستان کی حیثیت سے ریٹائر ہو رہے تھے اور اپنے چیمبر سے نکل رہے تھے تو انہوں نے اپنے قلم کی سیاہی خالی کر دی تھی جو سیاہی کا آخری قطرہ تھا کیونکہ یہ ریاست کا تھا۔ انہیں پاکستان کے اعلیٰ ترین سول ایوارڈ ہلال پاکستان سے نوازا گیا۔ (مخزن)

سلسلہ اے خانہ بر اندازِ چمن کچھ تو ادھر بھی
عنوان: اردو ادب کی مشہور و معروف کنواریاں

جبیں نازاں، نئی دہلی

جہاں اردو ادب کے چند معروف و مشہور شعرا ادبا نے مجرد زندگی گزاری، ان سے ہم سب بخوبی واقف ہیں ۔ ان میں سر فہرست ساحر لدھیانوی کا نام آتا ہے ۔ کہا جاتا ہے لتا منگیشکر سے شادی کے لیے تیار ہو گئے۔ لتا بھی راضی تھیں لیکن ماں نے غیر مسلم کو بہو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ساحر ماں کو حد سے سوا چاہتے تھے ماں کی بات ٹھکرا نہ سکے۔ اور آخری کوشش بھی ناکام ثابت ہوئی ۔ دنیائے ادب کا خاص و عام طبقہ اس واقعہ سے باخبر ہے، ساحر کے ساتھ کئی خواتین کے نام منسلک رہے لیکن ان میں سر فہرست امرتا پریتم، سدھا ملہوترا، لتا منگیشکر، اور خدیجہ مستور، وغیرہ کا نام لیا جاتا ہے۔ خدیجہ مستور سے ساحر کا نکاح ہو جاتا لیکن عین وقت پر بات مِہر پہ آ کر اٹک گئی... اس طرح ساحر کے لیے نکاح کی راہ ہموار نہ ہو سکی ثناء اللہ جی تو بنگالی میؔ راسین پر یوں فدا ہوئے کہ اپنی شباہت ہی نہیں اپنا نام تک میؔ را رکھ لیا۔ ۔میؔ را کے بعد انھیں کوئی بھائی وہ شاعرہ سحاب قزلباش تھیں لیکن سحاب قزلباش میؔ را جی کا حلیہ دیکھ کر متنفر ہو گئیں، مجاز لکھنوی جاوید اختر کے ماموں کا نام لوگوں نے کئی خواتین سے منسلک کیا لیکن شارب ردولوی صاحب کی تحقیق اور مجاز صاحب کی بہن جاوید اختر کی خالہ کی تصدیق کے مطابق مجاز ایک شادی شدہ خاتون کو دل دے بیٹھے تھے۔ جہاں ملنے کی کوئی صورت ہی نہیں نظر آئی۔

ان کے جذبات کو شدید ضرب پہنچی اور ان کا پہلا نروس بریک ڈاؤن اس صدمے کی وجہ سے 1940 میں ہوا ۔ پھر مجاز شراب کی پناہوں میں

آ گئے... یہ حقیقت ہے کہ کثرت مئے نوشی کے سبب ان کی موت واقع ہوئی... جیسا کہ عصمت چغتائی نے بھی ایک جگہ لکھا ہے۔ مجاز اس قدر وجیہہ شخصیت کے مالک تھے کہ علی گڑھ میں لڑکیاں ان پر فدا تھیں ان کے نام کا قرعہ نکالا کرتی تھیں...لیکن شارب رودولوی کہتے ہیں اس میں شک وشبہ کی بالکل گنجائش نہیں کہ لڑکیاں ان پر نہ مرمٹی ہوں۔۔لیکن مجاز ان میں سے کسی کو بھی دل نہیں دیا اور نہ ہی کوئی پیش کش قبول کی۔۔کیوں کہ یہ مزاجاً نہایت شرمیلے تھے۔اور حس نزاکت نہایت اعلیٰ تھی...وہیں چند خواتین قلم کار بھی شادی شدہ زندگی پر تنہائی کو ترجیح دی! سب سے پہلے میں تذکرہ کرنا چاہتی ہوں شہزادی زیب النساء مخفی کا جو مغلیہ سلطنت کی صاحب دیوان شاعرہ تھیں۔شہزادی زیب النساء مغلیہ سلطنت کچھٹی نسل کے بادشاہ محی الدین اورنگ زیب کی سب سے بڑی اور چہیتی اولاد تھیں یہ دلرس بانو بیگم کے بطن سے 15 فروری 1638ء دولت آباد میں پیدا ہوئیں۔اسلامی قواعد اور مغلیہ سلطنت کے دستور کے مطابق جب ان کی عمر چار سال چار ماہ چار دن ہوئی، بسم اللہ شریف کی رسم ادا کی گئی۔اور پھر حافظ مریم کو اتالیق مقرر کیا گیا۔زیب النساء نیصرف دس سال کی عمر میں قرآن ناظرہ مکمل کر لی۔اورنگ زیب اپنی بیٹی کی ذہانت اور ذکاوت سے بے پناہ مسرور ہوئے، دختر نیک کی غیر معمولی صلاحیت اور اس سعادت مندی کی حوصلہ افزائی بطور انعام تیس ہزار اشرفیوں سے نواز کر کیا۔اس کے بعد انھوں نے علم فقہ علم نحو، کی تعلیم ملاّ جیون کی شاگردی میں حاصل کی۔بعد ازاں ملاّ محمد سعید اشرف ماژندرانی کے سامنے زانوئے تلمیذ تہہ کیے، محض 14 سال کی عمر میں اس وقت کی شاہی خاندان کی مروجہ تعلیم مکمل کر لی۔شاعری کے تمام رموز سے واقفیت حاصل کی، سعید محمد اشرف مارژندرانی آخری استاد ثابت ہوئے شاعری کیعلاوہ خطاطی کے ہنر سیکھے، یہ نہایت خوش نویس تھیں۔کم مدت میں شکست، نسخ، اور نستعلیق پہ عبور حاصل کر چکی تھیں۔

زیب النساء مخفی کی شاعری کے حوالے سے کئی بے بنیاد باتیں پھیلائیں گئیں۔چونکہ ان کا دیوان محفوظ نہ رہ سکا، احمد علی سندیلوی نے مخزن الغرائب میں ایک حقیقت بیان کرتے ہیں مخفی کی دل پسند کنیز ارادت فہم کے ہاتھ سے مخفی کی بیاض بے احتیاطی کے سبب حوض میں گر گئی اور یوں زیب النساء مخفی کا تمام کلام یعنی کہ عمر بھر کی محنت یا اثاثہ کہہ لیں ضائع ہوگئی۔بدحواس خادمہ دوڑی ہوئی شہزادی کے استاد کے پاس گئی اور ساری روداد کہہ ڈالی تا کہ شہزادی کی ناراضی کا سدباب کر سکے۔استاد محترم نے خادمہ کی طرف سے 23 اشعار پہ مشتمل قطعہ لکھ کر زیب النساء مخفی کی خدمت میں پیش کیا ''مخزن الغرائب'' میں پورا منظوم عریضہ مرقوم ہے۔شہزادی نے وہ قطعہ پڑھ کر خادمہ کا قصور معاف کر دیا۔اس قطعہ کو بنیاد بنا کر بدخواہ اور کوتاہ نظروں نے زیب النساء مخفی کے کلام کو استاد سعید اشرف ماژندرانی سے منسوب کر دیا۔ڈاکٹر افروز زیدی ایک مضمون میں رقم کرتی ہیں۔''زیب النساء مخفی قیام لاہور کے دوران میں ایک بار شالیمار کے تختۂ فیض بخش میں حرم کی دیگر مستورات کے ساتھ بیٹھی ہوئی سنگ مرمر کے آبشار کا نظارہ کر رہی تھیں اس نظارے سے متاثر ہو کر انھوں نے یہ قطعہ کہا:

اے آبشار نوحہ گر از بہر کیستی
چیں بر جبیں فگندہ زاندرہ کیستی
آیا چہ درد بود کہ چوں ماں تمام شد
سر رابسنگ می زدی و می گریستی

زیب النساء مخفی نے فارسی زباں میں ہی نہیں اردو زباں میں بھی شاعری کی ہے۔دیوانِ مخفی کے نام سے ایک مجموعہ کلام موجود ہے۔چند اردو اشعار بطور ثبوت ملاحظہ فرمائیں۔

آ کر ہماری نعش پہ کیا یار کر چلے
خواب عدم سے فتنے کو بیدار کر چلے
ہر اک پہ تم جور وفا کرتے ہو پیارے
دھڑکے نہ مرا دل نہ لگے آہ کسو کی
نہ نامہ نہ پیغام زبانی نہ نشانی
حالت سے کوئی کیوں کہ ہو آگاہ کسو کی
کہتے ہو تم نہ گھر مرے آیا کرے کوئی
پر دل نہ رہ سکے تو بھلا کیا کرے کوئی
جدا ہو مجھ سے مرا یار یہ خدا نہ کرے۔
خدا کسی کے تئیں دوست سے جدا نہ کرے
صنم جو کسی کے تئیں تجھ سے آشنا نہ کرے

زیب النساء مخفی کا نام اردو شاعری میں نئی روایت کا آغاز کہا جا سکتا ہے اگر زیب النساء شاہی ناز ونعم میں پلی بڑھیں۔شاہی گھرانے کے تمام عیش وطرب سے لطف اندوز ہوتی رہیں، وہیں بدبختی نے شاہی ٹھاٹ باٹ

کی زندگی میں گہن لگا دیا، وہ تا عمر ناکتخدا رہیں، عمر کے آخری ایام انھوں نے قرآن شریف کی تعلیم دینے اور اپنے ہاتھوں سے لکھنے۔غرضیکہ قرآن شریف تالیف واشاعت میں صرف کردی۔ان کے ہاتھ کی لکھا ایک نسخہ دہلی کے ایک لائبریری میں موجود ہے۔

67 سال کی عمر میں 1114ھ 1705ء بمقام دہلی وفات پا گئیں (بعض روایت کے مطابق لاہور میں وفات ہوئی) صاحبہ الزمانی کے باغ تیس ہزاری دہلی میں تھا آخری آرام گاہ بنی۔جو انگریز کی آمد تک قبر موجود تھی۔1885ء میں دہلی میں راجپوتانہ مالوہ ریلوے لائن تیار ہو رہا تھا، اس وقت زیب النساء کا مقبرہ زد میں آ گیا اور اسے مسمار کر دیا گیا۔افسوس کہ آج شہزادی کے مقبرے کا نشان تک باقی نہیں ۔

کشمیر کے غدار

ویسے تو پہلے بھی کچھ صحافی دعوے کرتے رہے ہیں کہ ایک پیج والی عمرانی حکومت نے کشمیر میں آرٹیکلز 370 اور 35 اے کے خاتمے کے بارے میں بھارت کو پیشگی مکمل یقین دہانی کر دی تھی کہ وہ کوئی عملی قدم اُٹھانے کی بجائے فقط عوام کو بے وقوف بنانے کی لیپا پوتی کریں گے لیکن اب نسیم زہرا اور حامد میر نے کشمیر کے بارے میں جنرل باجوہ اور عمرانی حکومت کی پالیسی کے بارے میں مزید حقائق کھول کر رکھ دیئے ہیں۔

آیئے، کشمیر پر بھارتی ڈبل قبضے کے بعد جنرل باجوہ اور عمرانی حکومت کے عملی اقدامات دیکھتے ہیں:

1-حامد میر نے انکشاف کیا ہے کہ جنرل باجوہ نے میرے سمیت پچیس اور صحافیوں کو بُلا کر بتایا کہ پاکستان کی فوج بھارت سے لڑنے کی سکت نہیں ہے۔ہمارے ٹینک چلنے کے قابل نہیں ہیں اور ٹینکوں میں ڈیزل ڈالنے تک کے لیے پیسے نہیں ہیں۔

2-قوم سے خطاب کرتے ہوئے اُس وقت کے وزیرِ اعظم عمران نیازی نے ہدایت کی تھی کہ تمام پاکستانی ہر جمعہ کے روز 12 بجے سے ساڑھے 12 بجے تک آدھا گھنٹہ کشمیریوں سے اظہارِ یکجہتی کے لیے کھڑے ہوں تاکہ انہیں پتہ چلے کہ پاکستانی قوم ان کے ساتھ کھڑی ہے۔یہ باکمال اظہار یکجہتی" ایک جمعہ کے بعد وزیر اعظم خود ہی ہمیشہ کے لیے بھول گئے۔

3-وزیرِ اعظم عمران نیازی نے فرمان جاری کیا تھا کہ پوری قوم کشمیر کے لیے متحد ہو جائے اور اس مسئلے پر پارلیمنٹ کو اعتماد میں لیا جائے گا لیکن جب عمل کا وقت آیا تو پارلیمنٹ تو دور کی بات ہے، اپوزیشن کے ساتھ ہونے والے اجلاس میں آنجناب دُوسروں کا مؤقف سنے بغیر ہی اُٹھ کر چل دیئے۔

4-اِس نقطہ نظر سے متفق ہونے یا نہ ہونے سے قطع تعلق ریکارڈ درست رکھنے کے لیے یہاں لکھنا ضروری ہے کہ عمران نیازی نے کشمیریوں کو واضح ہدایت دی تھی کہ جو بھی لائن آف کنٹرول پار کرنے کی کوششوں کا حصہ بنے گا، وہ دراصل کشمیر کاز سے دُشمنی کا مرتکب ہوگا اور پھر حکومت نے اس پر عمل بھی کیا کہ جس کسی نے بھی لائن آف کنٹرول پار کرنے کی چھوٹی موٹی کوشش کی، اسے یا تو گرفتار کر لیا گیا یا ڈرا دھمکا کر واپس کر دیا گیا۔

5-وزیرِ اعظم عمران نیازی نے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ایک زبردست تقریر کی، جسے عوام میں کافی سراہا گیا۔لیکن اس تقریر کے بعد عمران نیازی کی حکومت کی سنجیدگی کا یہ عالم تھا کہ دوسرے ممالک کو بھی پاکستان کی اپوزیشن جماعتیں سمجھ کر عمران نیازی کی حکومت نے کسی سے کوئی خاص سفارتی رابطہ نہیں کیا تاکہ کشمیر کا مسئلہ اُجاگر کر کے حمایت حاصل کی جا سکے۔

6-بھارت کے جمّوں کشمیر پر غاصبانہ قبضے کے خلاف اقوامِ متحدہ کی انسانی حقوق کونسل میں قرارداد جمع کرانے کے لیے کم از کم 16 ممالک کی حمایت کی ضرورت تھی لیکن پاکستانی حکومت کی لابنگ نے کشمیریوں اور پاکستانیوں کو تب شرمندہ کر دیا جب قرارداد منظور تو بہت دُور کی بات، پاکستان اس قرارداد کو جمع کرانے کے لیے درکار کم سے کم ممالک کی حمایت کی شرط بھی پوری نہ کر سکا (حالانکہ وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی واضح طور پر کہہ چکے تھے کہ ہمیں اقوامِ متحدہ کی انسانی حقوق کونسل میں بھارت کے خلاف قرارداد لانے کے لیے 58 ممالک کی حمایت حاصل ہے۔)

فقط 16 ممالک کی حمایت بھی حاصل نہ کرنے کے عملی اقدامات اُس وقت کی پاکستانی حکومت کی کس نیت کی غمازی کرتے ہیں حالانکہ اِن ممبران ممالک میں 10 اسلامی ممالک بھی شامل تھے؟ اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کا غیر مستقل رکن بننے کے لیے بھارت کو ووٹ بھی عمرانی حکومت نے دیا تھا۔

8-سب سے اہم بات یہ ہے کہ عمران نیازی سابقہ بھارتی الیکشنز سے قبل نہ صرف بار بار نوید سنا رہے تھے کہ "مودی کی جیت سے مسئلہ کشمیر حل ہوگا" بلکہ وہ کشمیر سے متعلق مودی کے کافی حد تک ہم خیال بھی ہیں، وزیرِ اعظم بننے سے قبل جس کا وہ اظہار کرتے ہوئے تجویز دے چکے تھے: کشمیر کا بہترین حل تین حصوں میں تقسیم ہے، لداخ بھارت، گلگت بلتستان پاکستان کو دے دیا جائے۔وادی اور آزاد کشمیر کو ملا کر تیسرا حصہ خود مختار کر دیا جائے۔"

(امام بخش)

پڑھیے اور غور کیجیے

بہت ہی خوبصورت انداز میں اردو بولنے والے المعروف مہاجروں کے خلاف جان۔ بوجھ کر وائس میسج اور تحریری طور پر منظم مہم چلای جارہی ہے جس میں بلا آخر مفلس اور مجبور و لاچار ظاہر کیا جارہا ہے جس کی ابتدا شہید بشریٰ زیدی کے 1986ء کے دن جو 2023 میں بھرپور طور اُجاگر کیا گیا اور اس پڑھی لکھی قوم کا ظالم جابر اور دہشت گرد ثابت کیا گیا۔ افسوس تو اس وقت ہوا جب اس تحریر کو معزز اداروں کے ذمہ داران نے بھی پوسٹ کیا۔ مگر مہاجر یا اردو بولنے والے طبقہ کی کہلانے والی آواز ایم۔ کیو۔ ایم خاموش رہی اور سائیکل اور پیدل سفر کر کے آنے والے آج کے منسٹر اور ارب پتی افراد کے پاس اس کا جواب دینے کا بھی وقت نہیں تھا۔ اور رہا سوال کراچی کے انٹیلیکچوئل تو وہ تو ویسے بھی اس ریس سے باہر بیٹھ کر اچھے دنوں کا انتظار کر رہے ہیں۔ مجھے مجبوراً اس تحریر کو لکھنا پڑا تا کہ کوئی تو آواز اس قوم کے لیے اُٹھے شاید کسی کو برا لگے تو مجھے گرفتار بھی کر لیا جاے۔ لیکن سچ بات کہنا اور اپنی طرف اُٹھنے والی اُنگلی اور آواز کا جواب تو دینا ہوگا۔ اس ملک کی خاطر کراچی کے لوگوں نے ایک طویل رفاقت کو خیر باد کیا اور پھر ووٹ دینے بھی نہیں گئے۔ شاید یہ ایک خاموش اظہار تھا ان سب سے جو پہلے یا اب رہنما یا لیڈر کہلاتے ہیں۔ بس اتنا ضرور ہے کہ ووٹ نہ دینے کی ایک وجہ کراچی کی مڈل کلاس افراد کی قیادت کے چناؤ کو بار بار من پسند افراد کو دینے سے کراچی کی تباہی کے سوا کچھ نہ ملا۔ قطع نظر اس کے کہ الیکشن جتوانے والوں کی نیت ٹھیک ہوگی لیکن ان کا چناؤ غلط ثابت ہوا۔ لہذا آج کراچی خاموش ہے جو کسی بھی طرح مناسب نہیں اب ملکی اداروں کو آگے بڑھ کر نئے اور جواں ہمت افراد کو اس شہر کی باگ دوڑ سنبھالنے دیں۔ یہ سچے پاکستانی ہیں۔ اس بار کراچی میں پرامن ہونے کی کوششوں کو کراچی والوں نے ہی کامیاب کیا۔ ورنہ تو روزانہ کی بنیاد پر لشکر کشی کرنے والوں کو سب ہی جانتے ہیں۔ اور روڈ و بازاروں گلی محلوں میں وافر نظر آنے والے افراد یقیناً سوالیہ نشان ہیں۔ خیر اب کی بار جو کوئی بھی پاکستان سے بے انتاہ محبت کرنے والی اس قوم کو غلط ثابت کریگا۔ یا ان کی طرف اُنگلی۔ اُٹھائے گا تو اس کا جواب ضرور دیا جاے گا۔ تحریر و تقریر وہ واحد پلیٹ فارم ہوتے ہیں جس سے کامیاب طریقے سے ملک کے عوام کے لیے اچھے اقدامات کی ابتدا کی جا سکتی ہے۔ شاید یہ تحریر بہت سے دوستوں کو وقتی طور پر مناسب نہ لگے لیکن اگر ہم۔ اس ملک۔ پاکستان کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اس ملک کے نوجوانوں کو روزگار کے مواقع دینے ہونگے ورنہ ہمارا اثاثہ باہر ممالک جاتا رہے گا۔ اس شہر کراچی کی ترقی میں جہاں اردو بولنے والوں کا اہم کردار ہے وہیں۔ پختون بھائیوں۔ پنجابی۔ سندھی۔ بلوچ۔ سرائیکی۔ کشمیری۔ میمن۔ مارڑواری۔ و دیگر قوم۔ کا بھی اہم۔ کردار ہے لہٰذا کراچی سب کا ہم۔ سب کراچی کے۔ اس ملک سے وفاوں کا عہد نبھا رہا ہوں۔ میں اپنے قلم سے آغاز کر رہا ہوں سپوت پاکستان۔

ایک شاعرہ ادیبہ، سماجی کارکن، ماہرہ نفسیات عابدہ شیخ لندن۔ الیاس آتش پاکستان

میری زیادہ تر کوشش ہے کہ ادبی تاریخ کے حوالہ جات کے بجائے محترمہ عابدہ شیخ صاحبہ کے فن اور شخصیت پر بات کی جائے۔ رباعی ایک قدیم صنفِ سخن ہے۔ مختلف زبانوں سے ہوتی ہوئی اردو زبان کی زینت بن کر ادب کے آسمان پر دوسری اصناف سخن کی طرح چمکنے میں اپنی مثال آپ ہے۔ چند ایک شعرائے کرام اور شاعرات نے رباعی کی طرف توجہ کی لیکن محترمہ عابدہ شیخ برسوں سے دیار غیر میں مقیم رہنے کے باوجود اپنا دین اپنا وطن اپنی قومی زبان کو کبھی بھی فراموش نہیں کر پائیں۔ محترمہ عابدہ شیخ کا مقام موجودہ دور کے بیشمار غزل گو نظم گو اور رباعی گو شعرائے کرام اور شاعرات میں نمایاں اور ممتاز نظر آتا ہے۔ محترمہ عابدہ شیخ کی شان و عظمت کے اعتراف میں بیشمار ادیبوں کی آراء موجود ہیں۔ انکی ادب کے حوالے سے خدمات کے علاوہ سوشل ویلفیئر کے حوالے سے بات نہ کرنا ناانصافی ہوگی۔ محترمہ عابدہ شیخ صاحبہ طویل عرصہ سے برطانیہ میں ایک شاعرہ ہی نہیں ماہرِ نفسیات ڈاکٹر اور سماجی کارکن بھی ہیں۔ وہ ہزاروں میل دور رہ کر بھی اپنے وطن کے پسے ہوئے طبقات کا خاص خیال رکھتی ہیں۔ وہ اپنی پینشن کا بیشتر حصہ غریب مجبور اور لاچار لوگوں پر خرچ کرتی ہیں۔ ہمہ وقت بیشمار ہاتھ انکی درازیٔ عمر کے لئے پروردگار عالم کے حضور محو دعا رہتے ہیں۔ اللہ پاک غزل نظم اور رباعی کی سدا بہار شاعرہ محترمہ عابدہ شیخ صاحبہ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے اور صحت توانا رکھے حسنِ بیان اور زورِ قلم زیادہ سے زیادہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

مسکرائیے...سعودی عرب کے شگفتہ مزاج خطیب جناب ’سلیمان الجبیلان‘ کا ایک اور خوبصورت واقعہ سنیئے : کہتے ہیں: ایک بار میں اپنی کار میں دو دیگر علماء کرام کے ساتھ کہیں سفر میں تھا، ایک مقام پر ایک بوڑھا ساربان سڑک کنارے اپنی جیپ میں بیٹھا اپنے اونٹوں کو سڑک کی دوسری طرف ہانک کر بھیج رہا تھا۔ لامحالہ مجھے بریک لگا کر رکنا پڑا۔ اور تو سب کچھ ٹھیک رہا مگر ایک بھاری بھرکم اونٹ خراماں خراماں چلتے چلتے سڑک کے بیچوں بیچ آ کر مزید سست رفتار ہو گیا۔ میں نے محض اس وجہ سے کہ بس اونٹ بدکے بنا چلتا رہے، ہلکا سا ہارن دو بار (بیب بیب بیب بیب) کر کے بجا دیا۔ یہ کوئی اتنی معیوب حرکت بھی نہیں تھی مگر نجانے اس پر بوڑھا ساربان کیوں اتنا تاپ گیا کہ مجھے گالیاں دینا شروع کر دیں: لعنت تیرے باپ پر، تو ہوتا ہے کون ہے میرے اونٹ پر ہارن بجانے والا، لعنت تجھے پیدا کرنے والی پر، اور نجانے اس نے میرے خاندان کے کس کس فرد کو ملعون ٹھہرایا، شاید سب پر ایک ایک کر کے لعنت بھیج ڈالی۔ بڑے ادب کے ساتھ بجائے ہوئے ہلکے سے اس ہارن کے بدلے میں اتنی گالیاں بالکل نہیں بنتی تھیں، بلکہ جس ردھم کے ساتھ میں نے ہارن بجایا تھا اس کا تو شاید مطلب بھی یہی بنتا تھا کہ اونٹ جی چلتے رہو، اونٹ جی چلتے رہو۔ اور اس کا بدلہ یہ ملا تھا۔ میں نے انتہائی خوفناک تیور بنا کر زور سے کار کا دروازہ کھولا اور باہر نکل کر پوری قوت کے ساتھ دھڑام سے بند کر دیا۔ میرے ساتھی علماء کرام میں جناب شیخ صالح صاحب نے گھبراتے ہوئے پوچھا؛ کیا پریشانی پیدا کرنے جا رہے ہو؟ میں نے کہا؛ گھبرائیے نہیں، آپ کو کچھ نیا کر کے دکھاتا ہوں۔

میں بڑے بڑے قدم اٹھاتے ہوئے، اپنی قمیض کے بازو اوپر کو چڑھاتے لپیٹتے ہوئے جیپ کی طرف گیا۔ بوڑھا بدو میرے تیور دیکھ کر بہت زیادہ گھبرا چکا تھا اور اس کی حالت پوری طرح ڈانواں ڈول ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے جھٹکے سے اس کی جیپ کا دروازہ کھولا اور اُس کے سر پر بوسہ دیتے ہوئے کہا؛ بزرگو، مجھے معافی دیدو، مجھے لگتا ہے کہ میں نے آپ کے اونٹ کے ساتھ بے ادبی کر کے اسے ناراض کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے آپ کے اونٹ کے ساتھ ساتھ آپ کو بھی ناراض کیا ہے۔ اللہ آپ کو بہت اچھی جزا دے، مجھے معاف کر دیجیے۔

بوڑھے کیلئے یہ ایک نیا جھٹکا تھا، شرمساری اور خجالت کے مارے برا حال، اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا؛ میں نے تجھ پر، تیرے ماں باپ پر اور تیرے سارے خاندان پر لعنت بھیجی ہے اور تو الٹا میرے سر پر بوسہ دے رہا ہے اور مجھ سے معافی مانگ رہا ہے۔ مجھے نہیں، تجھے ناراضگی ہوئی ہے، مہربانی کر، مجھے معاف کر دے۔ میں نے کہا اللہ کی قسم، میں تو تجھے قیامت تک معاف نہیں کرونگا، تو نے مجھے اور میرے خاندان کو جتنی گالیاں دیں ہیں، اُن سب کی معافی کا تو بس اب ایک ہی طریقہ بچا ہے کہ اگر تو میری ایک شرط مان لے تو؟ بوڑھے نے کہا؛ میں حاضر ہوں، بتا تیری کیا شرط ہے؟ میں نے کہا؛ میری یہ شرط ہے کہ تو ہم سب کو اپنی اونٹنیوں کا دودھ پلائے۔ بوڑھے نے کہا؛ بخدا یہ تو کوئی بڑی شرط نہیں ہے، میں بالکل حاضر ہوں۔ اور جلدی سے جیپ سے اُتر کر نیچے زمین پر قالین بچھایا، گدے نکال کر لگائے، میں نے اپنے ساتھیوں سے نیچے آنے کو کہا، اور ہم سب بیٹھ گئے۔ بوڑھے نے جیپ کا ہارن بجا کر دور کھڑے اپنے خادم کو بلا کر ذمے لگایا کہ جلدی سے اونٹنیوں کا دودھ نکال کر لائے اور ہم سب کو پلائے۔ میرے پوچھنے پر کہ تجھے شعر کہنا آتے ہیں تو اس نے ہمیں بدوی ادب کے ڈھیروں شعر سنا ڈالے۔ یہ محفل آدھا گھنٹہ جمی اور ایسا ماحول بنا کہ جیسے ہم برسوں کے واقفکار ہوں۔ یقینی بات ہے باتوں باتوں میں بوڑھا بھی جان چکا تھا کہ ہم کون لوگ ہیں۔ آدھے گھنٹے کے بعد جب ہم نے اجازت لیکر اٹھنا چاہا تو بوڑھے نے ہم تینوں کی قمیضیں پکڑ لیں، کہنے لگا؛ اللہ گواہ ہے مجھے تم لوگوں سے پیار ہو گیا ہے۔ میں تم لوگوں کو ایسے نہیں جانے دونگا۔

میں نے بوڑھے سے کہا؛ ہمیں پہلے بھی بہت دیر ہو چکی ہے، کھانا وغیرہ بشرط زندگی پھر کسی وقت پر اٹھا رکھتے ہیں، تو بس ہمیں اجازت دیدے۔ بوڑھے نے اپنے اونٹوں کے پیچھے بہت دور (اونٹ ڈیڑھ سو سے زیادہ تھے) گہرے پردے میں ڈھپی چھپی تین لڑکیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا؛ وہ دیکھو؛ وہ میری تین بیٹیاں ہیں، تم تینوں عالم فاضل لوگ ہو، مجھے عزت بخشو اور ایک ایک سے نکاح کر لو۔

حاضرین کرام: کیا خیال ہے پھر، گالیوں کے بدلے میں ایک نہیں تین تین رشتے۔ یہ اس لیئے ہے کہ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست (سورۃ فصلت۔34) اس سارے قصے کا ایک اور خاتمہ بھی ہو سکتا تھا کہ جب بوڑھے نے مجھے گالیاں دی تھیں، میں بھی باہر نکل کر اُسے للکارتے ہوئے کہتا ارے او بڈھے شیطان، تو میرے ماں باپ پر لعنت بھیجتا ہے؟ اور بوڑھے نے اپنی جیپ کی نشست کے نیچے جو کلاشنکوف رکھی ہوئی تھی نکال کر مجھے ایک برسٹ مارتا اور اس فتنے کا ایسا سیاہ خاتمہ ہو جاتا۔ (عربی سے ترجمہ)

غیر نصابی کتب

مبشر شہزاد۔گلاسگو سکاٹ لینڈ

روزمرہ زندگی میں جب بھی ہم کتابوں کے مطالعہ کی بات کرتے ہیں تو سب سے پہلے ہمارے ذہن میں نصابی کتابوں کا خیال آتا ہے۔ بے شک نصابی کتابوں کی اپنی ایک الگ اہمیت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ زندگی کی دوڑ میں کامیاب ہونے کے لئے نصابی کتابوں کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ غیر نصابی کتب کا مطالعہ بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ایک مصنف اپنی زندگی کا نچوڑ کتاب کی شکل میں اپنے پڑھنے والوں کو مہیا کرتا ہے۔ جس میں ان کی سوچ' نظریات و تجربات شامل ہوتے ہیں۔ ہر کتاب مختلف ہوتی ہے اور پڑھنے والے کی سوچ کو ایک نیا اور منفرد زاویہ دیتی ہے۔ ہم لکھنے والے کے عمر بھر کے ان تجربات سے نہ صرف بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں بلکہ سبق حاصل کرتے ہوئے خود کو ان غلطیوں سے بچا سکتے ہیں یا مناسب حکمت عملی تیار کر سکتے ہیں۔ کتاب دوستی بہت پرانی ہے جو صدیوں سے چلی آ رہی ہے۔ اس سے بڑھ کر کتاب کی اہمیت کیا ہو گی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت و راہنمائی کے لئے یا اپنا پیغام پہنچانے کے لئے الہامی کتابیں اپنے مختلف نبیوں اور پیغمبروں پر نازل کیں اور انبیاء کرام نے اپنی عملی زندگی میں ان تعلیمات کا مظاہرہ بھی کیا۔ قرآن پاک ہمارے لئے ایک مکمل جامع کتاب ہے جس کو پڑھ کر اور سب سے بڑھ کر سمجھ کر ہم اپنے رب اور نبی و رسول حضرت محمد ﷺ کے بتائے ہوئے احکامات کی پیروی کرتے ہوئے اپنی زندگی و آخرت کو سنوار سکتے ہیں۔ آج کا دور کیوں کہ ڈیجیٹل ہو گیا ہے اس لئے آج کے بچے زیادہ تر اپنا وقت ان برقی آلات کے ساتھ ہی گزارتے ہیں۔ کتب بینی ان کو مشکل لگتی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ ان کو کتابیں پڑھنا بیزار کن لگتا ہے۔ ایک سوچ یہ بھی ہے کہ بچے نصابی کتابوں کے پڑھنے کو ہی کتب بینی تصور کرتے ہیں ہمیں اس ضرورت پر زور دینا چاہیے کہ بچے کچھ وقت غیر نصابی کتب کو بھی دیں تا کہ ان کو وقت گزارنے کا نہ صرف ایک بہترین مشغلہ مل سکے بلکہ ان کی معلومات میں اضافہ بھی ہو سکے۔

بقول شیخ سعدی شیرازی: ''اچھی کتابوں کا مطالعہ دل کو زندہ اور بیدار رکھنے کے لئے بہت ضروری ہے'' ایک زمانہ تھا کہ بچوں کو لوری سنائی جاتی تھی اور کھیلنے کے لئے مختلف قسم کے کھلونے دیے جاتے تھے۔ گڈا' گڑیا کی شادیاں کروائی جاتی تھیں۔ گلی محلوں میں بچے دن بھر کرکٹ' فٹ بال' پٹھو گرم' گلی ڈنڈا جیسے کئی کھیل کھیلتے تھے۔ دادی اور نانی بچوں کو شہزادیوں' شہزادوں' علی بابا چالیس چور جیسی متعدد فلمی کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔ پھر جیسے جیسے وقت بدلتا گیا یہ روایات دم توڑتی گئیں۔ اب نومولود بچے کو مختلف گانوں یا انگریزی نظموں کی دھنیں لگا دی جاتی ہیں۔ جب بچہ تھوڑا بڑا ہوتا ہے تو موبائل یا دوسرے گیجیٹس ان کے ہاتھ میں پکڑا دیے جاتے ہیں جن پر وہ ہر وقت اپنی پسند کے کارٹون دیکھتے ہیں۔ آج کا دور انیمیٹڈ فلموں کا ہے۔ گھر میں سارا سارا دن بچے یوٹیوب اور نیٹ فلکس پر اپنے پسندیدہ کارٹون' فلمیں اور پروگرامز دیکھتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جدید دور کے بچوں کو ان پرانی اور فرسودہ کہانیوں میں کسی قسم کی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آج کے بچے ڈیجیٹل دور میں پرورش پا رہے ہیں جن کو ایک کلک پر من پسند چینل' فلم' یا رنگ برنگے کارٹون دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔ بچوں میں کتابوں کا شغف پیدا کرنے کے لئے ایسی کتابیں ہونی چاہئیں جو ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کروا سکیں یا ان کو اپنی طرف مائل کر سکیں۔

لہٰذا وقت کی نبض کو سمجھتے ہوئے ہمیں ایسی کتابیں شائع کرنی چاہیے جن میں رنگوں کی دھنک ہو' کہانی یا مواد ایسا ہو جو دل موہ لے' جو بچوں کو کتاب آخر تک پڑھنے پر مجبور کر دے۔ کہانی ایسی ہو جو ان کے دل میں اسے پڑھنے کی جوت جگا دے۔ اگر شروع کے چند صفحات بچے کو متاثر نہیں کر سکے تو بچہ کتاب کو نہیں پڑھے گا۔ مواد ایسا ہو جو ان کو بوریت کا شکار نہ ہونے دے۔ کہانیاں پریوں اور شہزادوں کی بجائے بدلتے وقت کی ضروریات کے مطابق ہونی چاہیے تا کہ وہ حقیقی دنیا مین رہنا سیکھیں۔ اگر بچہ کتاب کی طرف راغب ہوتا ہے اور اپنے فارغ وقت کا کچھ حصہ کتاب پڑھنے میں لگاتا ہے تو اس سے اس کو فائدہ ہی ہو گا اور دور رس نتائج بھی مرتب ہوں گے۔ بقول حکیم محمد سعید: ''یہ ہمارا قومی المیہ ہے کہ ہم سب سے کم وقت اور سب سے کم دولت جس چیز پر خرچ کرتے ہیں وہ کتاب ہے۔''

یہ ذمہ داری ہم سب پر عائد ہوتی ہے کہ پبلشر ایسی کتابیں شائع کریں اور والدین' اساتذہ بچوں کو وہ کتابیں مہیا کریں جو ان کی شخصیت میں نکھار اور جدت لا سکیں اور جو وقت کی ضرورت اور ڈیمانڈ کے مطابق ہوں۔ جو ان کے

علم ومعلومات میں اضافہ کریں۔ایسی کتابیں شائع کی جائیں جو بچوں کی ذہنی قابلیت کے مطابق مختصر اور آسان الفاظ میں ہوں تا کہ وہ آسانی سے بات کو سمجھ سکیں اور اس پر عمل پیرا بھی ہوسکیں۔آج کے وقت کی پڑھائی پہلے زمانے سے بہت مختلف ہے۔ بچہ دن رات نصابی کتب یا پڑھائی 'پھر ہوم ورک میں مشغول رہتا ہے۔اگر فارغ وقت میں کوئی اور کتاب اٹھاتا ہے تو اس میں اس کی دلچسپی کا بھرپور سامان ہونا چاہیے تا کہ اس کی تھکن اتر سکے اور دوسری طرف کتب بینی کا شغف بھی پیدا ہو سکے گا کیونکہ ہمارا مقصد بچوں کو نصابی کے ساتھ ساتھ غیر نصابی کتب کی طرف مائل کرنا ہے۔جو شخص اچھی کتابیں پڑھنے کا شوق نہیں رکھتا وہ معراج انسانی سے گرا ہوا ہے۔کتابیں ہماری بہترین دوست ہوتی ہیں (جارج برنارڈ شا) ابوالعباس کہتے ہیں کہ: ''ہم بادشاہوں کی صحبت اختیار کریں تو عزت نفس مرتی ہے' تاجروں میں بیٹھیں تو دل کے غریب ہو جائیں گے۔ ہماری ہم نشین کتابیں اور صرف کتابیں ہونی چاہیے جن سے کسی فتنے اور بدمزگی کا اندیشہ نہیں اور نہ ان کی زبان اور ہاتھ سے کوئی خطرہ ہے''۔

ہمیں اپنے بچوں کو لائبریری کے باقاعدگی سے استعمال اور اس کی افادیت سے متعارف کروانا چاہیے تا کہ وہ ان کتب سے فائدہ اٹھا سکیں۔اس کے ساتھ اپنی لائبریریوں کو وقت کے حساب سے جدید بنانا چاہیے تا کہ بچوں کو ان کے مطلب کی کتاب با آسانی حاصل ہو سکے۔

اسکول و کالج میں بچوں میں کتب بینی کو فروغ دینے کے لئے اہم اقدامات کرنے چاہیے۔ بچوں میں لائبریری سے زیادہ کتب ایشو کروا کر پڑھنے پر انعام سے نوازنا چاہیے تا کہ باقی بچوں میں بھی یہ شوق منتقل ہو سکے۔عوام الناس کے لئے لائبریری سے کتب لینے کے مرحلے کو آسان بنانا چاہیے تا کہ ایک عام انسان آسانی سے کتب حاصل کر سکے اور فائدہ اٹھا سکے۔

کتب بینی کا فروغ ہر معاشرے کے لئے راحت اور کامیابی کا ضامن ہے۔مغربی دنیا جس کی کئی معاملات میں ہم پیروی کرتے ہیں 'وہ کتابوں پر ہی زندہ ہیں اور یہی نہیں بلکہ کتابیں ان کی زندگی میں ایک لازمی اور اہم جزو کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پھر چاہے ریلوے اسٹیشن ہو یا بس اسٹاپ وہ اپنے فارغ لمحے میں کتاب پڑھنے کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔ پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک جہاں لوگ محنتی اور جفاکش ہونے کے ساتھ ساتھ ذہانت سے بھی مالا مال ہیں ایسے میں ہمیں کتب بینی کو فروغ دینے کے لئے ہنگامی طور پر اقدامات کرنے چاہئیں جس سے نہ صرف یہ قوم کتابوں کی طرف مائل ہو بلکہ اپنے علم میں اضافے کے ساتھ اپنے مستقبل کو بھی سنوار سکے اور کامیابی کی طرف گامزن ہو سکے۔نوجوان نسل 'مرد و عورت' بچوں اور بوڑھوں کو بلاتفریق کتابوں سے قریب کرنے کے لئے عملی اقدامات کرنے چاہیے کیونکہ اس ڈیجیٹل دور میں کتب بینی کے ذریعے ہی کامیابی کا سفر طے کیا جاسکتا ہے۔ولیم اسٹائرون کے بقول: ایک عظیم کتاب آپ کو بہت سے تجربات دے جاتی ہے اسے پڑھنے کے بعد آپ تھک تو جاتے ہیں مگر آپ اسے پڑھتے پڑھتے کئی زندگیاں جی لیتے ہیں۔اب وقت ہے کہ ہمیں کتابوں کی اہمیت کو سمجھنا ہوگا اور کتابوں اور کتب بینی کو فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کرنا ہوگا:

جو ہر جرنیل کا ہراول دستہ رہے، ڈکٹیٹروں کے گیارہ، گیارہ سالہ دور میں ان کو 90 دن نظر نہیں آئے۔مشرف کو تو خود تین سال دے دیئے کیونکہ حلف مشرف کی ذاتی نوکری پی سی او پر لیا تھا، پھر مشرف کو آئین میں تبدیلی کا حق بھی دے دیا جو خود عدلیہ کے پاس بھی نہیں۔آج وہ آئین کے محافظ بنے بیٹھے ہیں، جنہوں نے سیاستدانوں کو السیشن kتوں کے آگے پھینک دیا تھا کہ ان کو قید و بند میں ڈالو، پھانسی پر لٹکا دو وہ آج سیاستدانوں کو نوے دن میں الیکشن کی کہانیاں سنا رہے ہیں، نوے دن کا ریمانڈ کا حق دینے والی عدلیہ کو انسانی حقوق یاد نہیں آئے بلوچستان سے پیدل اسلام آباد آنے والی ماؤں بہنوں بیٹیوں کے گمشدہ افراد کے لئے جن کے پاس کوئی وقت نہیں تھا۔کتنے ہفتے وہ سپریم کورٹ کے باہر کیمپ لگائے بھوک ہڑتال کرتے رہے مگر کسی کو انسانی حقوق یاد نہیں آئے۔اب جب ایک شخص نے انہی ہتھوڑے والوں کے زور پر پورے نظام کو یرغمال بنایا ہوا ہے تو یہ کالے چوغے کے ساتھ اس کی مقصد براری کے لئے سیاستدانوں کو ہتھوڑا دکھا کر کہتے ہیں کہ سب مشورہ کر کے عمران کے پلان کے مطابق چلو، ورنہ ہمارا فیصلہ تو موجود ہی ہے۔ سرکار جسٹس منیب نے چینی 80 روپے کرنے کا فیصلہ دیا تھا، مگر صرف فیصلہ ہی میدان میں موجود تھا چینی کہیں نہیں تھی۔شاعر نے کہا تھا کہ۔سورج میں لگے دھبہ قدرت کے کرشمے ہیں.....بت ہم کو کہیں kافر، اللہ کی مرضی ہے ڈکٹیٹر ضیاء الحق اور اختر عبدالرحمان کے بیٹے کہہ رہے ہیں کہ نوے دن میں الیکشن نہ کرانا آئین کی خلاف ورزی ہے یہ اسی طرح ہے کہ مقتول کی بیوہ کی عدت پر جھگڑا ہو رہا ہے اور اس کے شوہر کے قتل اور قاتل پر کوئی بات نہیں کرتا۔

حقوق العباد۔ رجلِ خوشاب

عثمانی ترکوں کے زمانے میں عرب خطے میں ایک روایت پڑی۔ عید الفطر کی صبح جب مرد عیدگاہ سے واپس گھر پہنچتے تو ان کی بیویاں گھروں کی صفائی ستھرائی سے فارغ ہو کر نئے کپڑے پہن چکی ہوتیں۔ شوہر کے داخل ہونے پر ان کے آگے قہوہ پیش کر دیا جاتا جنہیں پینے کے بعد وہ خالی پیالی لوٹانے کے بجائے اس میں سونے کی انگوٹھی رکھ کر بیگم کو بطور تحفہ پیش کرتے۔ اسے حق نمک کہا جاتا ہے۔ یہ ماہ رمضان میں سحری و افطاری میں بیگم کی تیاریوں اور خدمات کا شکریہ ہوتا ہے۔ یہ حق نمک آج بھی سوڈان، لیبیا، سوریا اور افریقہ کے بعض علاقوں میں رائج ہے۔ یہ پوسٹ اپنی بیگم سے دور رکھیں ورنہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ مسئلہ برے لوگ نہیں مسئلہ نیک لوگ ہیں جن کا تصورِ نیکی محدود اور مسخ شدہ ہے۔ جتنے لوگ رائیونڈ اجتماع میں جمع ہوتے ہیں اگر یہی لوگ اپنی سماجی اخلاقی ذمہ داریوں کو کما حقہ ادا کریں تو پاکستان جنت نظیر بن جائے۔

یہ جتنے محرم و یوم علی کے جلوسوں میں سینہ کوبی کرنے اہلبیت کی محبت میں روتے، 1400 سال پہلے ہوئی دہشت گردی پر احتجاج کرنے نکلے ہوتے ہیں یہ اہلبیت کا درس اپنے اعمال سے پھیلانے لگ جائیں تو سماج میں کوئی دہشت گرد پیدا نہ ہو۔

جتنے لوگ ہر سال حج پر جاتے ہیں، اگر وہی سدھر جائیں تو سماج سدھر جائے۔

جس قدر امام اور خطیب ہیں اگر وہی اپنے قول و فعل کا تضاد ختم کر لیں تو پاکستان ریاست مدینہ بن جائے۔ جو دو لاکھ حفاظ اور لاکھوں علماء ہر سال معاشرے کی مین اسٹریم میں داخل ہوتے ہیں وہی صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں تو معاشرے کا سماجی سرطان ختم ہو جائے۔ مگر ان سارے نیک لوگوں بلکہ ہم سب کا بون میرو سماج کے بون میرو سے میچ نہیں کرتا لہٰذا معاشرے کا کینسر بھی ختم نہیں ہو رہا۔ ہم سب کا نیکی کا تصور ہی مسخ شدہ ہے، سماج بدکار لوگوں کی بدکاری سے کم اور بانجھ نیک لوگوں کی وجہ سے زیادہ خراب ہے کیونکہ نیک لوگوں کی نیکی سماج کے لئے کاؤنٹر پروڈکٹیو ہے، ہم نے بس نمازوں کو ہی نیکی سمجھ رکھا ہے۔ حج کو ہی نیکی سمجھ رکھا ہے، ماتم کو ہی نیکی سمجھ رکھا ہے، حفظ کو ہی نیکی سمجھ رکھا ہے، اسی نیکی نے ہم کو جھوٹ بولنے، وعدہ خلافی کرنے، دوسروں کی زمین غصب کرنے، مسلمانوں کی املاک کو نقصان پہنچانے، والدین کے اور اولاد و ازواج کے حقوق ادا نہ کرنے پر جری کر رکھا ہے۔ ہمارا پڑوسی نہ امن میں ہے نہ سکون میں ہے۔ ہم کو پیشاب کا قطرہ نکلنے کی تو فکر ہے مگر گلی کو صاف رکھنے کی کوئی فکر نہیں۔ ہم سب روزانہ بالٹیاں بھر کر کچرا باہر پھینکتے ہیں اور ہمارے ضمیر میں کوئی خلش نہیں ہوتی کیونکہ ہم سب نیک ہیں۔ ہم میں سے اکثر والدین کے نافرمان، بیویوں اور اولاد کے حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے اور اپنے یتیم بھتیجے بھتیجیوں کی زمین دبا لینے والے ہیں۔ ہم کو دور فلسطین، برما اور روانڈا کے مسلمانوں کی فکر ہے مگر اپنے ہی گاؤں، گلی، محلے میں اپنی یتیم بھتیجی کی کوئی فکر نہیں کہ وہ کہاں سے کھا رہی ہے اور کیسے گذر بسر کر رہی ہے۔ اُلٹا مشترکہ زمین میں سے اس یتیم کا حصہ بھی نہیں دیتے مگر سال کا عمرہ و حج بھی نہیں چھوڑتے۔ آدھے نیک لوگ پورے برے انسان سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں جیسے منافق کافر سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے اور زیادہ سزا کا حقدار ہے اگرچہ نماز رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پیچھے پہلی صف میں ہی پڑھتا ہو۔

اپنے پڑوسی اور عزیز و اقارب کا خیال رکھیں تو اللہ نے رزق کی تقسیم کا ایسا نظام بنایا ہے کہ جس میں انسانوں کا امتحان ہے۔ امیر کے مال میں غریب رشتے داروں اور غریب محلے داروں کا حصہ رکھا گیا ہے جو ادا نہیں کرے گا تو لازم محاسبہ ہوگا اگرچہ درجنوں حج کر رکھے ہوں ہر نفلی حج اور عمرے پر حشر میں جوتے مارے جائیں گے کہ غریب رشتے داروں کا حق ادا کرنے کی بجائے اس کا ٹکٹ لے کر مجھے غصہ دلانے کے لئے حطیم میں سینہ رگڑنے مکہ آ گئے تھے؟ پڑوس میں غریب بچی کے ہاتھ پیلے کرنے کو ترس رہا تھا اور تو اس کی مدد کرنے کی بجائے حجرِ اسود چومنے مکے آ گیا؟۔ تیرے معاشرے میں فساد پھیلا تھا اور تو وہاں میدان عمل میں اُترنے کی بجائے یہاں قرآن پڑھنے آ گیا تھا؟۔ تیرے ہمسائے میں، تیری گلی میں، تیرے شہر میں کوئی فاقہ کشی پر مجبور تھا اور تو ادھر قربانی کا دُنبہ حلال کرنے پہنچا ہوا تھا؟ اور ہمارے منبر، ہمارے جمعۃ المبارک کے خطبے، وہ کیا ہیں؟ جمعہ کا مقصد کیا تھا؟ یہی کہ ہر ساتویں دن مسلمان جمع ہوں اور ایک دوسرے کے حالات سے باخبر رہنے کے ساتھ ان کو درپیش مسائل کو نئے دور کے تقاضوں کے مطابق حل کرنا۔ منبر سے سماجیات، رہن سہن اور بنیادی میرز کی تبلیغ کرنا اور حقوق العباد کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنا کہ جس کا ذکر عبادات کے ذکر سے کئی گنا زیادہ کلام مجید میں آیا ہے اور جس پر اللہ نے پکڑ سخت رکھی کہ وہ خود ہی فرماتا ہے۔ اپنے حق میں معاف کر سکتا ہوں مگر بندوں کے حق معاف نہیں ہوں گے۔ اور خطبوں میں ہوتا کیا ہے؟ وہی داستان، وہی قصے جو بچپن سے سنتے آئے، جو ازبر ہو چکے یا کوئی بھلے شاہ و اقبال سنا دے گا۔

یا پھر کسی مسلک پر بدعت وکفر کے فتوے، یا کسی کلمہ گو گروہ پر نکتہ چینی، یا کفار کو بد دعائیں، وقت پورا، نماز پڑھیں اور اللہ اللہ خیر صلا۔۔۔اگر یہ نمازیں، روزے، حج، عمرے، ماتمی جلوس، مجالس، میلاد محافل، تبلیغی اجتماعات، دعوت کانفرنسیں، لنگر، سبیلیں، وغیرہ وغیرہ ہم کو انسان نہیں بنا رہے یا ہم کو برائی سے نہیں روک رہے یا ہمارے اندر کوئی مثبت تبدیلی نہیں پیدا کر رہے تو لکھ لو کہ یہ سب اعمال ہمارے منہ پر ویسے ہی مارے جائیں گے جیسے خدا کہتا ہے کہ اگر نماز تمہیں راہ راست پر نہیں لا رہی اور برے کام سے نہیں روک رہی تو وہ نماز تمہارے منہ پر دے ماری جاتی ہے*مسئلہ برے لوگ نہیں مسئلہ شاید ہم ظاہری نیک مگر اصلاً منافقت والے لوگ ہیں جن کا تصورِ نیکی محدود اور مسخ شدہ ہے۔

نہیں، یہ مچھر نہیں ہے۔ یہ ایک کیڑے کا جاسوس ڈرون ہے جسے دور سے کنٹرول کیا جا سکتا ہے اور یہ کیمرہ اور مائکروفون سے لیس ہے۔ یہ آپ پر اُتر سکتا ہے، اور اس میں ڈی این اے کا نمونہ لینے یا آپ کی جلد پر RFID ٹریکنگ نینوٹیکنالوجی چھوڑنے کی صلاحیت ہو سکتی ہے۔ یہ کھلی کھڑکی سے اُڑ سکتا ہے، یا یہ آپ کے لباس سے منسلک ہو سکتا ہے جب تک کہ آپ اسے اپنے گھر میں نہ لے جائیں۔ سائنسی، فوجی میدان میں مبینہ طور پر کی جانے والی تحقیق کے موجودہ شعبوں میں سے ایک مائیکرو ایئر گاڑیوں (MAVs) کی ترقی ہے، چھوٹی اُڑنے والی اشیاء جن کا مقصد ایسی جگہوں پر جانا ہے جہاں تک انسانوں یا دیگر قسم کے آلات (محفوظ طریقے سے) نہیں پہنچ سکتے۔

راجا عبد الرحیم لندن

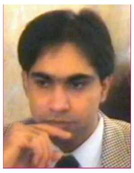

دیوار و در تو کہیں یہ مکیں سے
ناطہ ہے کچھ روز تیرا زمیں سے
ہے عاجزی میں ہی ربّ کا کرم
جھک ناتواں تُو پختہ یقیں سے
یہ بُخل و انا یہ بغض و بیاں
ہوا خوار انساں ہے سوچو انہی سے
ہے راز کوئی نہ ربّ سے چھپا
وہ دیکھ لیتا ہے تیری جبیں سے
رسوا کرے یا وہ کردے کرم
وہی بیٹھا جانے ہے عرشِ بریں سے

چوبیس گھنٹوں کی کہانی
یکم اپریل 2023

سرمد خان پشاور

میرا پرسوں جدہ سے ینبع ایک میٹنگ کے لیے جانے کا پلان تھا۔ایک دن پہلے چھوٹے بھائیوں نے افطار کی ایک بہت کم ملنے والی دعوت دے دی۔میں نے ینبع میں اپنے کنٹیکٹ سے کہا کہ آپ سبجیکٹ فائیل اپنے ساتھ گھر لے جائیں میں سحری کے وقت آ کر بات چیت کرلوں گا اور صبح کی نماز کے بعد مدینہ المنورہ چلا جاؤں گا۔افطاری کے بعد کچھ وقت بھائیوں کے ساتھ گزارا اور پھر ینبع کے لیے کوئی رات گیارہ بجے روانہ ہوا۔جدہ سے نکلتے ہوئے ایک پٹرول پمپ پر گاڑی کا انجن آئل بدل لیا۔۔ان لوگوں کو میں عرصہ دراز سے جانتا ہوں کہ بہت پیشہ ورانہ مہارت رکھتے ہیں مگر۔ایر فلٹر کی صفائی کے دوران سٹیرنگ فلیووڈ کا ایک پائپ غلطی سے انجن بیلٹ کی پلی کی طرف پش کر گئے۔اب جب میں چلنے لگا تو پلی کی رگڑ سے ھائیڈرالکس پائپ کٹ کر لیک ہو گیا اور اس سے تیل گرتا رہا۔ساتھ ساتھ سٹیرنگ کی فنکشن میں بھی فرق آیا جو میں محسوس کرتا رہا مگر چونکہ جمعہ کی رات تھی سوچا صبح کسی وقت چیک کرالوں گا۔

ینبع میں صبح سویرے اپنی میٹنگ ختم کی تھی تو ینبع سے نکلتے ہوئے ڈاکٹر Asad Imtiaz صاحب کو واٹساپ پر میسیج چھوڑ دیا کہ جمعہ کی نماز کے بعد مدینہ المنورہ میں ملاقات کر لیتے ہیں۔مدینہ پہنچنے سے کچھ دیر پہلے موبائل سروس بند ہونے کا میسیج آیا۔۔اب۔۔سوچا جمعہ پڑھ کر جدہ میں جیسے انٹرنیٹ اکسیس ہوگا تو سروس بحال کردونگا۔جمعہ پڑھ کر مدینہ المنورہ سے واپسی پر عصر کی نماز کے لیے رکا تو پتہ چلا کہ سٹیرنگ کا فلووڈ پورا ڈرین ہو چکا ہے مگر چونکہ گاڑی چل سکتی تھی اس لیے میں نے مدینہ روڈ سے صعبر کا شارٹ کٹ لیا اور ایک ورکشاپ پر عین اس وقت پہنچا جب وہ لوگ افطاری کی دسترخوان پر بیٹھ چکے تھے۔میں نے۔ Rusthamkahan Rustham بھائی کو بتایا کہ مجھے پتہ ہے کہ اس وقت ہم پٹھانوں پر بات چیت گولی کی طرح لگتی ہے مگر صرف اتنا بتا دو کہ یہ کام یہاں ہو جائیگا یا نہیں۔اس نے خاطر مدارت کی اور یقین دلایا کہ افطاری کے بعد کوئی حل نکال لیں گے۔افطاری کے بعد اس حوض کو جوڑا گیا نیا فلووڈ ڈالا اور میں خراماں خراماں

جدہ کی طرف روانہ ہوگیا۔۔جدہ کی چیک پوسٹ سے کوئی پندرہ کلومیٹر دور گاڑی نے دووارننگز دی ایک ریڈیٹر کا پانی گرم ہورہا تھا اور دوسرا بیٹری کا وولٹیج کم ہورہا تھا۔جب یہ سگنلز ملے تو کچھ آگے ایک پولیس کی گاڑی کسی کی مدد کررہی تھی میں بھی وہیں رُک گیا۔سعید خان صاحب جو العلا سے جدہ ارہا تھا بلکل میری کہانی بتا رہا تھا پانی گرم ہورہا تھا اور بیٹری ڈاؤن ہورہی تھی۔ میں حیران رہ گیا۔فورا آسمان کی طرف دیکھ کر کسی ایسے چیز کو تلاش کرنے لگا جس سے فلموں میں ھائی انرجی الیکٹرو میگنیٹک برسٹ سے گاڑیوں کے انجن کنٹرول ماڈیولز ڈسایبل کردئے جاتے ہیں۔۔مگر۔۔سمجھ نہیں آیا۔دونوں گاڑیوں میں تازہ پانی ڈال کر ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی اور کچھ دیر بعد آگے چلنے لگے۔۔میرا چونکہ موبائل سروس معطل تھا اس لیے کمیونیکیشن کی ذمہ داری سعید خان صاحب پر تھی۔گاڑی پھر گرم ہونے لگی اور میں نے سائڈ پر روک لی۔۔اندازہ ہوگیا کہ انجن بیلٹ کا مسئلہ ہے۔۔میں یہی سوچ رہا تھا کہ سعید خان صاحب کی کال آئی اور انہوں نے بھی یہی بتایا کہ ان کا بھی بیلٹ کا مسئلہ ہے۔۔اور وہ گاڑی کو اُٹھوا کر لے کر جا رہے ہیں۔ میں چونکہ کال نہیں کرسکتا تھا اس لئے کچھ وقت ویسے ہی انتظار کیا پھر ائس ٹی سی کو 900 پر کال کیا کہ میری سروس بحال کردیں۔انہوں نے سروس بحال کیا تو میں جدہ کسی کو کال کرکے کہا کہ یہ بیلٹ خرید لیں اور میکینک کو اس لوکیشن پر ساتھ لے آئیں۔ وہ لوگ پہنچے اور دیکھا تو پتہ چلا کہ صعبر میں جس مکینک نے پایئپ ریپیر کیا تھا غلطی سے ایک کپڑا انجن میں بھول گیا تھا اور وہ کپڑا بیلٹ کو اُتروانے کا سبب بنا۔۔خیر۔۔بیلٹ لگوایا اور آگے بڑھ گئے۔۔ذھبان میں ایک پیٹرول سٹیشن پر پیٹرول کے لیے رُکا تو اس شخص کی کال آئی جو میکینک لے کر آیا تھا کہ میری گاڑی میں پیٹرول ختم ہوگیا ہے اور میں ذھبان سے کوئی ایک کلومیٹر آگے کھڑا ہوں۔۔خیر۔۔۔میں نے پیٹرول پمپ والے سے کہا تو اس نے کہا کہ ہم پیٹرول نہیں دے سکتے کیونکہ ابھی چونکہ مہینہ بدل گیا ہے آج یکم اپریل ہے تو مالک خود آکر پہلے میٹرز چیک کرتا ہے اس کے بعد دوبارہ کام شروع ہوگا۔۔کچھ دیر انتظار کیا مگر مالک نہیں آیا۔میں ذھبان قصبے کے اندر ایک اور پمپ پر چلا گیا گاڑی میں پیٹرول ڈالا اور ایک بڑے کین میں دوسرے شخص کے لیے بھی لے گیا۔۔پھر جب جدہ پہنچا تو دیکھا کہ گاڑی پھر گرم ہورہی ہے۔۔گاڑی پھر ایک ورکشاپ پر لے گیا پانی پورا دوبارا بھرا اور پھر گھر آکر سو گیا۔۔یہ نیند یکم اپریل کو کوئی 36 گھنٹے بعد نصیب ہوئی تھی۔

الحمدللہ انجنیئ ڈاکٹر محمد نقاب خان امبیلہ بونیر کے پی کے پاکستان

جہانِ رنگ کراچی اور بزمِ علم و ادب گلاسگو کے زیرِ اہتمام گلوبل عید ملن مشاعرہ

مبشر شہزاد، گلاسگو۔سکاٹ لینڈ

ادبی تنظیمیں جہانِ رنگ کراچی اور بزمِ علم و ادب گلاسگو کے زیرِ اہتمام 30 اپریل 2023 کو گلوبل عید ملن مشاعرہ بذریعہ زوم منعقد کیا گیا جس میں دنیا بھر کے مختلف شہروں سے شعراء کرام نے شرکت کی یہ مشاعرہ لندن کے معروف شاعر رانا عبدالرزاق خاں عاصی صحرائی کی زیرِ صدارت منعقد ہوا اس مشاعرہ کی مہمانِ خصوصی انڈیا سے محترمہ ممتاز منور صاحبہ تھیں۔اس مشاعرے کی خصوصیت عید کے حوالے سے خصوصی اشعار یا طنز و مزاح پر مبنی اشعار پیش کرنے کی اجازت بھی تھی جس کے باعث مشاعرہ وقتاً فوقتاً کشتِ زعفران بنا رہا شعراء کے مزاحیہ کلام نے سامعین کو بے حد محظوظ کیا۔۔مشاعرے کی نظامت دوطرفہ تھی جو کہ مبشر شہزاد نے گلاسکو اسکاٹ لینڈ اور شازیہ عالم شازی نے کراچی پاکستان سے بذریعہ زوم انجام دی۔مشاعرہ کا آغاز ناظم مبشر شہزاد نے ان حمدیہ اور نعتیہ اشعار سے کیا۔

”تمام حمد ہے اُس خالقِ ازل کی
سکوں جھیل کو دیتا ہے جو کنول کے لیئے
میں اس کے نام سے کرتا ہوں ابتدائے کلام
وہ جن کے نام فرشتوں نے بھی سنبھل کے لیئے“

بعدازاں صدرِ مشاعرہ کا مختصر تعارف پیش کیا اور پھر مشاعرے کا باقاعدہ آغاز ہوا۔جن احباب نے مشاعرے میں اپنا کلام پیش کیا ان میں عبدالباسط انور(دبئ)،عبدالقدیر کوکب(اس وقت پاکستان سے)، عبدالحمید خلیق (پاکستان)، مبشر شہزاد(گلاسگو)، شازیہ عالم شازی(کراچی پاکستان)، بشارت ریحان(کینیڈا)، عبدالحئ بشارت(کینیڈا)، شائق نصیر پوری (لندن) ثمرین ندیم ثمر(دوحہ۔قطر)،اشعر عالم عماد(کراچی پاکستان)ڈاکٹر اسحق ساجد(انڈیا)عبدالجلیل عباد(جرمنی)،منور احمد کنڈے(لندن)عنبر کھیر (انڈیا)، فیاض وردگ(کویت)ڈاکٹر ممتاز منور(انڈیا)اور صدرِ مشاعرہ رانا

عبدالرزاق خان عاصی صحرائی (لندن) شعراء کے کلام سے اقتباس۔

عبدالباسط انور (دبئی)

"ملنے گئے تھے عید کی خوشیوں کو لے کے ساتھ
ایسا ملا وہ ہم سے کہ لگتا تھا جیسے وبال ہے
مانگے بنا ہی جو عیدی ہم بانٹتے رہے
عیدی تو کیا ہنسی نا دیں جو مالا مال ہے
وہ چپ رہا تھا تو ٹھیک تھا کھولا جو منہ تو بس
دور ہوگئیں غلط فہمیاں کے خوش خصال ہے"

"ہو مبارک سبھی کو یہ عید الفطر۔۔۔ان کو بھی لوگ کہیں جنھیں تنگ نظر
شیر خواروں کی طرح ہم تیار ہیں۔۔۔شیر خرمہ ملے اگر چلیں سب کے گھر
وہ کبھی خط کبوتر سے بھجوائے گی۔۔۔۔۔۔منتظر میں بھی بیٹھا رہا بام پر"

مبشر شہزاد، گلاسگو۔سکاٹ لینڈ

دیارِ غیر میں ہم عید یوں مناتے ہیں۔۔۔پرانی یادوں سے دیئے گھر جلاتے ہیں
وطن کی یاد اس شدت سے دل پہ چھائی ہے۔جدائی اپنوں کی پہروں ہمیں رولاتی ہے

عبدالقدیر کوکب پاکستان

چاند دیکھا اور خوشیاں سب منانے لگ گئے
میں تو تھا تنہا وہ میرا دل جلانے لگ گئے
میری چاہت کا مرکز تو مجھ سے کوسوں دور تھا
اُس کی چاہت کے ستارے ٹمٹمانے لگ گئے
چاند کی چاندنی اچھی لگے گر وہ بھی ہوں
ساتھ جو گزرے تھے لمحے وہ ستانے لگ گئے

سارے رشتوں کو چھوڑا ہے تیرے لیئے۔۔اور جو کچھ بھی جوڑا ہے تیرے لیئے
پھر بھی تو بن نا پائی میری جانِ من۔۔۔۔خون پسینہ نچوڑا ہے تیرے لیئے

عبدالحمید خلیق پاکستان

نا جانے کونسی شب بام پر وہ چاند آئے۔۔۔ہماری عید ہو جب بام پر وہ چاند آئے
فلک کا چاند تو ہر شب ظہور کرتا ہے۔۔۔ہمیں کیا اُس سے طلب بام پر وہ چاند آئے
میں کیا ہوں، کون ہوں، آیا ہوں یہاں کب سے۔بتاؤں گا اسے سب بام پر وہ چاند آئے

شازیہ عالم شازی کراچی پاکستان

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانہ یاد ہے۔۔آج تک وہ بینڈ باجا شامیانہ یاد ہے
تین موقع بھی دیئے قاضی نے غور و فکر کیلئے۔۔آج تک وہ قیمتی موقع گنوانا یاد ہے
ایک نا ہی کافی تھی مشکل سے بچنے کے لیئے۔۔ہم کو ہاں کا وہ فیصلہ احمقانہ یاد ہے

کچھ ایسا غم ہوا ظاہر مرے چہرے سے فرقت کا
کتابوں کی طرح یہ لوگ اب پڑھنے لگے مجھ کو
محبت کرنے والے تھے تمھارے شہر والے سب
تمھاری ہوں، تمھارے بعد بھی کہنے لگے مجھ کو

***

مری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر حیران ہوتے ہو
ارے کیوں دن میں جگنو دیکھ کر حیران ہوتے ہو
ہمیشہ بیسکونی کا عالم رہا محبت میں
اب اس بارے میں یکسو دیکھ کر حیران ہوتے ہو
تمھیں تو جا بجا ویسے نظر نہ آتا تھا کچھ بھی
سو اب ہر شے کو ہر سو دیکھ کر حیران ہوتے ہو

بشارت ریحان کینیڈا

روزے رمضان کے جو کھاتے ہیں۔۔۔عید وہ دھوم سے مناتے ہیں
ناز ہم پر کرے نہ کیوں پانی۔۔۔عید کے عید جو نہاتے ہیں
عید کے دن مجھے جلانے کو۔۔۔۔غیر کو وہ گلے لگاتے ہیں

***

ان کی بھی ہر ادا ہے کافرانہ۔۔۔مزاج اپنا بھی ہے شاعرانہ
ہے ان کا حسن بھی میک اپ زدہ سا۔۔۔ہمارا عشق بھی ہے شاعرانہ
اُدھر بھی بناوٹ ہی بناوٹ۔۔۔اِدھر بھی ہے فسانہ ہی فسانہ

عبدالحئی بشارت۔کینیڈا

ہے بہت انتظار بارش کا۔۔۔دیکھ لوں اختیار بارش کا
آپ آئے تو پیراہن بھیگا۔۔آ گیا اعتبار بارش کا
لمسِ جاناں کو دو گنا کردُیں۔۔۔ایسا ہوتا ہے پیار بارش کا

***

احساس جب اس کا میرے احساس میں آیا
شدت کا تاثر بھی میرے پیاس میں آیا
اک ساعتِ ادراک فراموش ہوئی کیا
اک طور میں سے خوف میرے پاس آیا
چڑیوں نے سحر ہوتے ہی اک آگ لگا دی
پھر آگ سے نکل اک سانپ گھاس میں آیا
جب بات کہی چاند سے اُس نے تو بشارت

مفہوم اتر کر میرے انفاس میں آیا

شائق نصیر پوری۔لندن

نام اللہ سے ابتداء کرنا۔۔اُس کے ذکر سے انتہا کرنا
عمرِ خضر مانگو کے اُس نے۔۔۔ہر قلالت کی ہے دوا کرنا
کہنا بلبلوں سے تھوڑا صبر۔۔۔انجامِ گلشن میں ہے رہا کرنا
اب نگر بسا لیا ہے نیا۔۔۔ربِ عالم ان کا بھلا کرنا
یوں کہ جوانی میں روح پگھلے۔۔۔بڑھاپے میں کیا خدا خدا کرنا
پتھر دلوں کو پگھلانے کو۔۔۔شائق چلا تو ہے دعا کرنا

***

کچھ معمولات کی کبھی رپٹ دائر نہیں ہوتی
محبت تو محبت ہے محبت کائر نہیں ہوتی
اک دن ضمیر نے کہا شرم کر بڑھے تو دل بولا
عشق کی ڈیٹ کبھی ایکسپائر نہیں ہوتی

ڈاکٹر اسحٰق ساجد۔جرمنی

شرابِ محبت نا مجھکو پلاؤ۔۔۔چراغِ محبت نا اب تم جلاؤ
یہ جھوٹی محبت کی قسمیں نا کھاؤ۔۔۔خدا کے لیئے تم نا آزماؤ
اگر ہو سکے تو مجھے بھول جاؤ۔۔۔مجھے زندگی سے محبت نہیں ہے

عبدالجلیل عباد

کہنے کو چاند رات ہے، یادوں کی اک بارات ہے
تیرا وصل میں تیرے ہجر میں کیا حسین یہ واردات ہے
سرِ بام کب سے ہوں منتظر کہاں میرا مہتاب ہے
وہ جو چشمِ نم کی شراب ہے وہ میری آنکھ کا خواب ہے
میرے جسم و جاں میں بسی ہوئی جو ہے روشنی تیرے خواب کی
ہے جو روشنی تیری یاد کی ہاں یہی تو چاند رات ہے

***

عید کے چاند کی پلکوں پہ ستارے آئے۔۔خوشی کہ رت میں بھی غم یاد تمھارے آئے
آج بھی ہوگا فروزاں وہ میرا بام پہ چاند۔آج بھی آہ نہ ہم دید کے مارے آئے
دیکھو پردیسوں کو دور سے ملنے کے لیے۔۔بیٹھ کے سوچ کے رکھے یہ نظارے آئے

شاعر سے شادی کرکے اب پچھتا رہی ہے وہ
عیدی میں چار لفظوں کی وہ اک نظم دے گیا
نکلا ہے چاند رات میں بن ٹھن کے وہ سخنور
بیوی کو چھت پہ جانے کی نا قسم دے گیا

سرِ بازار ننگے ہوگئے ہیں۔۔سیاسی لوگ گندے ہوگئے ہیں
الیکشن سے جنھیں ہے موت پڑتی۔۔پرانے ہو کے لنڈے ہوگئے ہیں
کئے تھے کام جن ہاتھوں سے گندے۔۔وہی گردن کے پھندے ہوگئے ہیں

اشعر عالم عماد۔کراچی

عشق کی اصل سے پہلی۔۔دید کی پہلی طلب تک
حسن کی زیبائش سے۔۔کائنات کے کواکب تک
جو ایک کرن سی ہے۔۔ وہ صورت تمھاری ہے

ثمرین ندیم ثمر۔دوحہ قطر

کاغذی جھیل میں کنول کی طرح۔۔۔گنگنا تو مجھے غزل کی طرح
تیرتی ہوں وجود میں تیرے۔۔۔جل پری میں تو اک جل کی طرح
شاعرانہ مزاج ہے میرا۔۔۔میں ہوں زلفوں میں اک بل کی طرح
وہ کئی سال میرے سنگ رہا۔۔۔جو کہ گزرے ہیں اک پل کی طرح
اُس سے دوری کا بھی خیال ثمر۔۔۔کاٹتا ہے مجھے اجل کی طرح
کھل جاتا ہے دل جب تم آجاتے ہو۔۔۔ملتا ہے ساحل کب تم آجاتے ہو
چاند ستارے دھوپ ہوائیں اور موسم۔۔۔بنتے ہیں قاتل جب تم آجاتے ہو

اوم پرکاش کھیر بند،عنبر کھیر۔انڈیا

ہو تہہ دل سے مبارک شادمانی عید کی
آپ کے دامن میں ہوں خوشیاں سہانی عید کی
نعمتوں کی ہیں گھٹائیں نور کی برسات ہے
رحمتوں کی برکتوں کی ہے کہانی عید کی
اپنے دُشمن کی سب اچھائیاں آئیں نظر
میرے بھائی بس یہی تو ہے نشانی عید کی

مخمس

زخم جتنے بھی ملے دنیا سے بھر جائیں گے
ہر مصیبت سے بہرحال گذر جائیں گے
دیر سے پھرتے ہیں پردیس میں گھر جائیں گے

عطاالرحمن سعودی عرب

وہ حسن کے لمحے جو خزانے لگے مجھے
ہاں عشق سمجھنے میں زمانے لگے مجھے
چہرے پہ ایک فکر کا غلبہ سا ہو گیا
اب آئینے بھی عمر بتانے لگے مجھے

توبہ میری یہ کون سی محفل میں آ گیا
سب نام تیرا لے کے ستانے لگے مجھے
دشمن نے خوب جال بچھایا تھا آس پاس
لیکن وہ دوست تھے جو گرانے لگے مجھے
مجھ سے یہ اعتبار کی باتیں نا کیجیے
وعدے تمہارے سارے بہانے لگے مجھے
شاہد اُنہیں خبر تھی میری کاغذی ہے نا

***

وہ روز موج بن کے ڈبانے لگے مجھے
سورج ہوں اکیلا ہوں ذرا شام کیا ہوی
کتنے چراغ جل کے بجھانے لگے مجھے
ویسے تو مئے حرام عطا کے لیے بھی ہے
ہاں چشم سے اگر وہ پلانے لگے مجھے

فیاض وردگ۔کویت

مٹا سکو گے نہ ہرگز مجھے زمانے سے
میں جڑ گیا ہوں محمد کے آستانے سے
وہ جس کے نور سے روشن ہوئے کون ومکاں
میری بقا کا تعلق ہے اُس گھرانے سے

***

زمیں کیا ہے میں فلک تجھ پر وار سکتا ہوں
ستارے کچھ نہیں سورج اتار سکتا ہوں
تیرے بغیر میں جیون گزار سکتا ہوں
مجھے پتا ہے کہ خود کو سنوار سکتا ہوں

***

سلسلہ درد سلسلہ ہے درد کی زنجیر کا
کس سے پوچھوں کیا منشا کاتبِ تقدیر کا
زندگی برباد ہوکے موت کا سامان ہوئی
جانے کب ٹوٹے گا حلقہ درد کی زنجیر کا

مشاعرے کے اختتام پرصدرِ مشاعرہ نے شعراءطنزومزاح،عید کے خصوصی اشعار اور شعراء کے خاص کلام کو بے حد سراہا اور ساتھ ہی منتظم مشاعرہ شازیہ عالم شازی اور مبشر شہزاد کو کامیاب مشاعرے کے انعقاد پر مبارک باد پیش کی آخر میں انہوں نے اپنی ایک مختصر غزل پیش کی۔

رانا عبدالرزاق صاحب لندن

آپ بھی گر دل سے ہم کو پیار کرنا چھوڑ دیں
ہم گریبانوں کو اپنے تار کرنا چھوڑ دیں
آپ کے رخسار پر ہے آفتابی اک تپش
قربتوں سے اب ہمیں پیار کرنا چھوڑ دیں
ہم نا لیں گے چارہ گر کا نام بھی عاصّی کبھی
آپ بھی گر نظر سے وار کرنا چھوڑ دیں
سوچ کے زندان سے نکلی حسینہ وقت کی
غیر ممکن ہے کہ ہم دیدار کرنا چھوڑ دیں

آہ جنابِ ضیاء محی الدین (مظفر نایابؔ، حال مقیم دوحہ قطر)

انگریزوں کی طرح انگریزی اور اہل زبان کی طرح اُردو بولنے والے اُردو داں فنکار جناب ضیاء محی الدین آج بتاریخ 13 فروری 2023 عیسوی کو بہ رضائے الٰہی انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جناب ضیاء محی الدین عالمی سطح پر مشہور باصلاحیت اداکار صداکار اور ہدایت کار کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ انہیں اُردو ادب سے گہرا لگاؤ تھا، آواز کے زیر و بم کے فن میں ماہر تھے، اداکاری اور صداکاری میں استاد کا درجہ رکھتے تھے، نظم ہو یا نثر خوب پڑھتے تھے، رموز اوقاف کا خیال رکھتے تھے۔ بطور خراج تحسین میں نے قطعۂ تاریخ وفات کہا اور پیش کیا ہے، قطعہ کے آخری مصرع سے علم الاعداد/علم الابجد/حساب الجمل کے حوالے سے 2023 عیسوی کی تاریخ برآمد ہوتی ہے۔ اس امید کے ساتھ ارسال کر رہا ہوں کہ یہ قطعہ جہاں تک پہنچے وہاں تک مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کا محرک بنے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، تمام لواحقین اور اہل خاندان کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔

قطعۂ تاریخ وفات برائے جناب ضیاء محی الدین۔

سخن شناس فصیح البیان خوش گفتار
صدا شناس صداکار اور ہدایت کار
نوائے شوق خوش آواز و خوش گلو طائر
صدائے دہلی اداکار پیشہ ور فنکار
ہے حسن مصرعہ تاریخ سے عیاں نایاب
زباں ضیاء محی الدین کی سخن گلزار

تبصرے: ”قندیلِ صحرائی“ مجموعہ کلام عاصی صحرائی

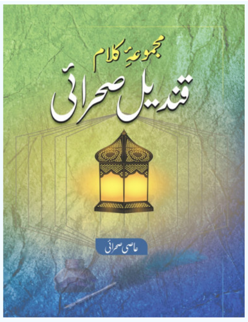

محترم ڈاکٹر پروفیسر عبدالکریم خالد لاہور۔ پی ایچ ڈی شاعرو ادیب ونقادودانشورلاہور: شاعری کا میدان کسی ایسے شہسوار کو آگے بڑھنے نہیں دیتا جس کے ہاتھ قلم کے اسپ کو اپنی مرضی کے تابع نہ کرسکیں اس میدان میں قدم رکھنا تو بہت آسان ہے لیکن تخیل کی زمین پر ہمت کا پھول کھلا کر اس کی خوشبو سے ماحول کو معطر کرنے کا فن ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے اور اگر ایسا خوش نصیب اور باذوق شاعر اردو ادب کی دنیا میں۔ رانا عبدالرزاق خان چہار اطراف میں پھیلی ہوئی ایک بھاری بھرکم شخصیت ہیں۔ ان کے خیمہ ٔادب کی طنابیں چاروں کھونٹ کسی ہوئی ہیں اور وہ ایک شان دل نوازی سے اس میں براجمان ہیں۔ وہ بنیادی طور پر ایک نثر نگار ہیں اور مختلف اصناف نثر میں قلم آزمائی کے مراحل طے کرتے ہیں اس ضمن میں وہ کبھی اپنے اصل نام کے ساتھ اور کبھی اے آر خان کے نام کے ساتھ اپنی تحریروں کو رونق بخشتے ہیں۔ انھوں نے اپنی ادبی زندگی کا ایک دریچہ شاعری کی طرف بھی کھول رکھا ہے۔ شاعری کے لیے انھوں نے عاصی صحرائی کا ہلکا پھلکا نام مخصوص کر رکھا ہے۔ ان کے کل ادبی کام میں شاعری موسم بہار کی طرح نمو پاتی اور موجِ صبا کی طرح ایک خوش گوار احساس پیدا کرتی ہے۔ شاعری ان کے لیے گوشۂ عافیت کا درجہ رکھتی ہے، ایک کنج راحت ہے جس کی آغوش میں آ کر وہ دم بھر کو ستاتے اور نشاط آمیز تازگی کے ساتھ مصاف زیست میں رواں ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی بساط شعر پر پیادے اور سوار تیار رکھتے ہیں جنہیں حالات اور وقت کے مطابق دائیں بائیں کر کے گردش زمانہ کو نگوں کر کے مات دیتے ہیں۔ میں ان کے اولین شعری مجموعے ”قندیل صحرائی“ کی آمد پر بہت خوش ہوں اور کھلے دل سے اس کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ اللہ ان کی سخن وری کو دوام اور عروج بخشے۔ آمین۔

محترم مبارک صدیقی صاحب مشہور شاعر و ادیب اور اینکر لندن سے لکھتے ہیں؛

یاروں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ محترم رانا عبد الرزاق خان صاحب کا پہلا مجموعۂ کلام ”قندیل صحرائی“ کے نام سے منظر عام پر آرہا ہے۔ مجھے لگتا تھا کہ شاید رانا صاحب کی تین چار ہی غزلیں ہیں لیکن انہوں نے تو کمال ہی کر دیا ہے۔ خاکسار محترم رانا عبدالرزاق صاحب کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ انکی عمر و صحت میں برکت عطا فرمائے اور آپکے علم و عرفان میں مزید برکت عطا فرماتا چلا جائے۔ آمین۔ رانا صاحب مستقل مزاج، محنتی زندہ دل اور لکھنے لکھانے کے دھنی ہیں۔ سپوت ایشیا، تاریخ کا ٹھگڑھ۔ دانشکدہ عظیم سمیت آٹھ کتابوں کے مصنف ہیں۔ قندیل ادب رسالے کی ترتیب و اشاعت کے لئے جو آپ نے محنت کی ہے اس سے ہرگز انکار نہیں کیا جا سکتا۔ خاکسار تو بوجہ اپنی کچھ مصروفیات انکے آن لائن مشاعروں میں کبھی شرکت نہیں کر پایا لیکن محترم رانا عبدالرزاق صاحب ایک تقریب میں بتا رہے تھے کہ انہوں نے تقریبا ایک ہزار آن لائن مشاعرے منعقد کروائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپکی ان ساری ادبی کاوشوں کو قبول فرمائے آمین۔ قارئین کرام اب آپ محترم رانا صاحب کی شاعری سے لطف اندوز ہوں کیونکہ کہتے ہیں کہ ”خوشبو آنست کہ خود ببوید نا کہ عطار بگوید“ یعنی خوشبو اپنا تعارف خود کرواتی ہے نہ یہ کہ عطار تعارف کرواتا پھرے۔

محترم ڈاکٹر فرحت عباس شاہ مشہور شاعرو ادیب و دانشور:

رانا عبدالرزاق صاحب کی محبت اور ادب سے وابستگی کی لگن ان کے تخلیقی سفر پر بھاری ہے۔ رانا عبدالرزاق بہت متحرک ادبی کارکن ہیں۔ ان کی شخصیت کا بہت نمایاں پہلو یہ ہے کہ وہ بنیادی طور پر ایک انتہائی مرنجاں مرنج اور شگفتہ مزاج انسان ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ یاروں کے یار تو ہیں ہی دشمنوں سے بھی دوستوں جیسا سلوک کرتے ہیں۔ میں ان کو ان کے شعری مجموعے کی اشاعت پر دل کی گہرائیوں سے مبارک باد دیتا ہوں۔

محترم آفتاب احمد شاہ صاحب شاعرو ادیب و دانشور ایڈیٹر:

شاعری کا میدان کسی ایسے شہسوار کو آگے بڑھنے نہیں دیتا جس کے ہاتھ قلم کے اسپ کو اپنی مرضی کے تابع نہ کرسکیں اس میدان میں قدم رکھنا تو بہت آسان ہے لیکن تخیل کی زمین پر ہمت کا پھول کھلا کر اس کی خوشبو سے ماحول کو معطر کرنے کا فن ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے اور اگر ایسا خوش نصیب اور باذوق شاعر اردو ادب کی دنیا میں خدمت کا سنکھ بجا رہا ہو تو اس کی آواز پر داد و تحسین نچھاور کرنا اس کا حق بنتا ہے رانا عبدالرزاق صاحب کا نام بھی ایسے ہی خوبصورت انسان اور شاعر کے طور پر سامنے آتا ہے جنہوں نے اردو ادب کی خدمت کو مشن کے طور پر سنبھالا ہوا ہے اور بطورِ شاعر

رانا صاحب کے ہاں ایک خاص قسم کی متانت اور سنجیدگی نظر آتی ہے جو ان کی معاشرے پر گہری نظر اور مضمون کے ہما پر مکمل گرفت کی علامت سمجھی جانی چاہیے حقیقت میں شاعری میں داد سمیٹنا اور پھر اس داد کا حق ادا کرنا کافی مشکل کام ہے لیکن رانا عبدالرزاق صاحب داد کے مستحق بھی ہیں اور اپنی حکمت بھری شاعری کے لیے پہچانے بھی جاتے ہیں۔ رانا صاحب کے کلام میں سادگی و سلاست کا دریا بہتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ مشکل مضامین کو ندرت اور انفرادیت سے آسان فہم بنانا بھی رانا صاحب کی شاعری کا بہت بڑا وصف ہے۔ تصوف اور عارفانہ مضامین کو اخلاقیات کے لباس میں پیش کرنے کا انداز رانا عبدالرزاق صاحب کی غزلوں کی ایک اور نمایاں خصوصیت ہے جو آج کے شاعروں میں مفقود نظر آتی ہے۔ جہاں رانا صاحب تصوف اور اخلاقیات کو اپنی غزلوں کا زیور بناتے ہیں وہیں پر ان کی غزلوں میں جدید عہد کے رویوں کی جھلک بھی بخوبی دیکھی جاسکتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رانا عبدالرزاق نے غزل کے مزاج کو ایک نئی معنویت سے آشنا کروانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ ان کی کتاب قندیلِ صحرائی اردو ادب میں غزل کی قندیل بن کر ہمیشہ روشن رہے گی۔ خیر اندیش۔

کہنہ مشق شاعر و ادیب و مصنف، محترم ڈاکٹر منورؔ احمد کنڈے، ٹیلفورڈ، انگلینڈ

لندن میں مقیم معروف اہلِ سخن جناب رانا عبدالرزاق خان جو عاصی اور صحرائی تخلص کرتے ہیں، ادب کی دنیا میں جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ رانا صاحب کی بہت سی نثری تصانیف منظر عام پر آ چکی ہیں۔ اب ان کا یہ زیرِ نظر اولین شعری مجموعہ قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ اس میں غزلیات کے علاوہ بہت سے عنوانات کے تحت منظومات شامل کی گئی ہیں۔ لندن کی سرزمین پر انہوں نے جو ادبی خدمات انجام دی ہیں وہ ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ لندن میں سینکڑوں ادبی محفلیں ان کی تنظیموں کے تحت منعقد ہو چکی ہیں، اور ان کا انعقاد تسلسل سے جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت و سلامتی سے رکھے اور ان کو لسانی خدمات کی مزید توفیق دیتا چلا جائے۔ آمین۔ رانا صاحب کو ان کی اس پہلے شعری مجموعہ پر دلی مبارکباد کے ساتھ چند اشعار پر مشتمل ایک مختصر سی نظم ذیل میں ان کی نذر کرتا ہوں، قبول فرمائیں:

محترم جناب رانا عبدالرزاق خان عاصیؔ صحرائی

خدمتِ شعر و سخن ہے ان کے نام
ہے نمایاں دہر میں یہ ان کا کام
منفرد انداز کے اشعار ہیں
اور معانی بھی بہت تہہ دار ہیں
حضرتِ عاصیؔ کو رفعت مل گئی
ان کے لفظوں کو بھی عظمت مل گئی
قدر سے دیکھیں وہ ہر فنکار کو
داد دیتے ہیں حسیں شہکار کو
وہ سخن کی محفلوں کی شان ہیں
بزمِ احبابِ ادب کی جان ہیں
وہ تو بزمِ ناز میں ہیں پُر جلال
وہ دکھاتے ہیں محبت کا کمال
ان کے حرفوں میں عجب ہے اک چمک
شعر کے چہرے پہ کاوش کی دمک
ہیں منورؔ "عبد وہ رزاق کے"
ہیں متاثر ان کے سب اخلاق سے

نتیجۂ فکر: ڈاکٹر منورؔ احمد کنڈے، ٹیلفورڈ، شراپ شائر، انگلینڈ

محترم عبدالحمید حمیدیؔ شاعر و ادیب و ایڈیٹر کاروان ادب ٹورونٹو کینیڈا

لکھتے ہیں: رانا عبدالرزاق خان عرف عاصی صحرائی کی شخصیت کے بہت سے پہلو ہیں۔ ایک سیاسی تجزیہ نگار، مورخ، ایک اچھے مقرر اور مصنف کے علاوہ ایک اچھے شاعر بھی ہیں۔ متعدد نثری کتب کی تصنیف کے بعد آخرکار ان کو اپنا منظوم کلام کتابی صورت میں پیش کرنے کا موقع مل گیا۔ قندیل صحرائی میں انہوں نے چمن سخن سے چُنے گئے ہر رنگ کو جمع کر دیا ہے۔ اپنی واردات قلب کا اظہار احسن طریق سے کیا ہے۔ ان کے کلام میں آسان اور سادہ انداز میں بات کی گئی ہے۔ معاشرے کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھنے کا فن کوئی ان سے سیکھے۔ یہ کام وہ بڑی دلیری سے کرتے ہیں۔ اس معاملے میں بے رحمی کی حد تک چلے جاتے ہیں۔ جس طرح ایک ماہر سرجن سرجری کرتا ہے۔ اسی طرح معاشرے سے ہمدردی کی خاطر فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ رانا صاحب اردو ادب کی خدمت میں ہمہ وقت مصروف ہیں۔ آن لائن مشاعروں کا ایک ریکارڈ قائم کیا ہے جس میں دنیا بھر سے شاعروں کو سامنے لائے ہیں۔ قندیل ادب گزشتہ دس سال سے بلا ناغہ جاری ہے۔ قندیل صحرائی میں غزلوں کے علاوہ نظموں اور دوسری اصناف پر بھی طبع آزمائی کی

ہے۔امید ہے قندیل صحرائی اردو ادب میں گراں قدر اضافہ ثابت ہوگا۔

شاعر و ادیب ایڈیٹر ہفت روزہ امن محترم مبشر شہزاد، گلاسگو۔ سکاٹ لینڈ

ادب جناب عاصی صحرائی کے رگ و ریشے میں رچا بسا ہے۔ تصنیف و تالیف، تدوین و ترتیب، تجزیہ و شعر گوئی میں ہمہ وقت مصروف رہنے والا قلمکار جس نے ادب کی بہت سی جہات میں ادبی معرکے سر کیئے ہیں۔

کسی بھی موضوع پر لکھنا، گفتگو کرنا، تنقیدی نظر ڈالنا ان کے لیے مشکل نہیں۔ستائش سے بے نیاز ادب و صحافت سے طویل وابستگی رکھنے والا وسیع المطالعہ تخلیق کار آج قندیلِ حق، قندیلِ علم، دانشکدۂ عظیم، سپوتِ ایشیا، تاریخ کاٹھگڑہ، بہادر شیر، نافلہ مہدی کے بعد آٹھویں کتاب شعری مجموعہ کی شکل میں ''قندیل صحرائی'' لیے حاضر ہے۔خوش دلی سے استقبال کیجئے گا۔

محترم رانا محمد حسن خاں شاعر و ادیب، مصنف و ایڈیٹر سہ ماہی پیشوا لندن

یہ عاجز آج جب دفتر پہنچا تو جناب رانا عبدالرزاق خاں صاحب کا مجموعۂ کلام ''قندیل صحرائی'' کے نام سے میرے ای میل ایڈریس میں موجود تھا۔اسے دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔یہ عاجز اچھی طرح جانتا تھا کہ رانا عبد الرزاق خاں صاحب نہ صرف اعلیٰ درجے کے انشا پرداز ہیں بلکہ چھے غزل گو شاعر بھی ہیں مگر ان کا مجموعۂ کلام پڑھ کر محسوس ہوا کہ وہ بلند پایہ شاعر ہیں، ان کے تخیل کی پرواز بہت بلند ہے۔جناب منور کنڈے صاحب نے ان کے متعلق درست فرمایا ہے کہ۔

خدمتِ شعر و سخن ہے ان کے نام
ہے نمایاں دہر میں یہ ان کا کام

رانا صاحب کے کلام میں سادگی، سلاست و عاجزی پائی جاتی ہے۔حمدیہ اور نعتیہ اشعار اپنی مثال آپ ہیں۔اپنی شعر گوئی اور تخیل کے متعلق رانا صاحب فرماتے ہیں۔

یہ میرے شعر اور تخیل میں جو ہے ویرانی
عزیز دوست کی مدحت کے ہجر کے ہے طفیل

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

جب جاگتا ہوں سوچتا ہوں جانے کہاں ہیں
آلام میرے خواب و تخیل میں نہاں ہیں

ان کے تخیل کی بلند پروازی کا اندازہ اس شعر سے لگایا جا سکتا ہے۔

کاش یوں ہو کہ فلک کو بھی گھمایا جائے
اور زمینوں کے مقابل اسے لایا جائے

ان کی شاعری میں صوفیانہ رنگ بھی جا بجا دکھائی دیتا ہے۔رانا صاحب جب اس مادی دنیا میں شدید گھٹن محسوس کرتے ہیں تو بے ساختہ پکار اُٹھتے ہیں۔

اپنی گھٹن کی شہ پہ تو زندان توڑ دے
کر ڈال اب غلامی کی زنجیر تار تار

رانا صاحب کسی بات کو اچھی ہو یا بری بھولتے نہیں یاد رکھتے ہیں۔نوجوانی میں وہ جب نوکری کی تلاش میں تھے، بہت جگہ ملازمت ملی بھی مگر ان کی بے چین طبیعت سمندری طغیانی میں کسی کشتی کی مانند ہچکولے کھاتی رہی۔بالآخر انہیں بحرین کے شاہی محل کی انتظامیہ کی جانب سے پرکشش ملازمت پیش کی گئی جسے رانا صاحب نے قبول کر لیا۔رانا صاحب فرماتے ہیں۔

مجھے مزدوری نہ ملتی تھی مگر اب اے دوست
شاہی محلوں سے مرے واسطے ہر کام آیا

ان کی ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ نئے لکھنے والوں کی نا صرف بے حد حوصلہ افزائی کرتے ہیں بلکہ ان کی ادبی تخلیقات کو اپنے رسائل میں شائع بھی کرتے ہیں۔جس طرح آج کل ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والوں میں ملائیت در آئی ہے، اسی طرح ادبی دنیا میں بھی ملائیت پائی جاتی ہے، بعض منجھے ہوئے شاعر بھی نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنے کی بجائے ان کی دل شکنی کر کے انہیں ادبی دنیا سے دور اور متنفر کر دیتے ہیں۔اور بعض مستند شاعر اصلاح کے نام پر اپنے مستند شاعر ہونے کی قیمت بھی مانگتے ہیں۔محترم رانا صاحب اور ان کے ساتھی شعراء بڑی جواں مردی سے ادبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔رانا صاحب تو اپنے مخالفوں کو بھی گلے لگانے سے نہیں ہچکچاتے۔جبکہ ایک عام راجپوت کے لیے اپنے مخالف کو گلے لگانا بعید از قیاس سمجھا جاتا ہے۔رانا صاحب فرماتے ہیں۔

عدو کہاں ہیں مرے مَیں بڑی محبت سے
گلے لگا کر انہیں مَیں ملوں گا اُلفت سے

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محترم رانا صاحب کی ادبی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں صحت و سلامتی والی، لمبی لکھنے پڑھنے والی فعال زندگی عطا فرمائے۔آمین۔

شاعرو ادیب، نقاد،

ڈاکٹر اسحاق ساجدؔ ایڈیٹر ’’سمندر‘‘ انٹرنیشنل جرمنی

’’قندیل صحرائی‘‘ پر ایک نگاہ

عاصی صحرائی کا نام دنیائے شعر و ادب میں کی تعارف کا محتاج نہیں۔ مدت ٹھائے زمانوں سے اُن کا اد بی سفر جاری ہے۔ آپ کے اشعار قاری کے ذہن کو اپنی توجہ رکھتے ہیں۔ عاصی صحرائی نے اپنی شعری تخلیقات میں حق گوئی اور بے باکی سے کام لیا ہے۔ وہ اپنے اشعار میں کہیں کہیں ایک مردِ مجاہد کی طرح آلام و مصائب کی زندگی میں رونما ہونے والی قسم قسم کی مشکلات کا بڑی خندہ پیشانی سے استعمال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اُنھیں طوفان وحوادث میں گِھر کے موجِ تلاطم میں کھیلنے کا مزہ آتا ہے۔

عاصی صحرائی کی شاعری اُن کے دلی جذبات واحساسات کی آئینہ دار ہے میرے نزدیک اچھی اور سچی شاعری کی بنیاد صالح روایات واقدار پر ہے اور عاصی صحرائی نے اسے پوری طرح ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ آپ جدید لب ولہجہ کے شاعر ہیں۔ عاصی صحرائی کے اشعار کے تعلق میں بہت کم لفظوں میں اگر کچھ کہا جاسکتا ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے اشعار آج کے ماحول کے آئینہ دار ہیں۔ اچھی شاعری وہی ہوتی ہے جس میں نہایت ایمانداری اور صداقت کے ساتھ اپنے خیالات وجذبات کو پیش کیا جائے۔ آپ ایک اچھے شاعر ہی نہیں ایک نثر نگار اور مشاعروں کے اچھے ناظم بھی ہیں۔ اُن کی زبان سے نکلنے والا ایک ایک جملہ بہت سدرھا ہوا اور اثر انگیز ہوتا ہے۔ مجھے اُمید ہے آپ کا یہ پہلا مجموعہ کلام ’’قندیل صحرائی‘‘ بہتر ثابت ہوگا اور اُردو ادب میں قابلِ قدر اضافہ کرے گا۔ عاصی صحرائی کو الفاظ کے فنکارانہ استعمال اور برمحل انتخابات کا سلیقہ ہے۔

آخر الذکر میں بدستِ دُعا ہوں کہ پروردگار عالم عاصی صحرائی کو اس میدان میں مزید کامیابیوں سے ہمکنار کرے۔ آمین۔

اسحاق ساجدؔ ایڈیٹر ’’سمندر‘‘ انٹرنیشنل جرمنی

آفتاب شاہ

کتاب کا دور سنہری یادوں کا زریں باب کہلاتا ہے عمومی طور پر کتاب سے محبت اور پیار اصل میں اس کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کتاب کا زوال اصل میں جدت اور وقت کی ضرورت سے بندھا ہوا سبق ہے حقیقت میں جدت کے رنگ کو سمجھے بغیر کتاب کے زوال کا فلسفہ سمجھ میں نہیں آسکتا۔ وہ لوگ جو آج کتاب کے کلچر کو زندہ کرنا چاہتے ہیں وہ وقت اور عہدِ حاضر کے مزاج کو سمجھے بغیر بات کرتے ہیں۔ جب کسی چیز کا متبادل موجود ہو تو کبھی بھی زوال کو حادثہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ موجودہ عہد میں اگر درسی کتب کو پڑھنے کا رواج موجود نہیں تو پھر ادبی کتب کسی گنتی میں نہیں آتیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ زمانے کے مطابق کتب کو ڈھال کر پیش کیا جائے کیونکہ اختصار اور جلد بازی کے شائق کو تفصیل کا مرض کبھی لاحق نہیں ہوسکتا۔

***

قدامت اور جدت کی لڑائی اتنی ہی پرانی ہے جتنی انسانی تہذیب کی عمر ہے جدت کا یہ سفر صدیوں کے ہچکولے کھاتا ہوا آگے کی طرف بڑھتا چلا جا رہا ہے کئی بار جدت کی شہ رگ پر پاؤں رکھنے کی کوشش میں قدامت منہ کے بل گر جاتی ہے اور بعض اوقات آفاقی اصولوں کے قدیم چلن کے قدموں کے نیچے بہت حسرت بھری نگاہوں سے زمانے کو دیکھتی رہتی ہے۔ اقوامِ عالم میں جدت کا چلن ہمیشہ ترقی کے پیمانے پر پرکھا جاتا ہے تعلیم اور اخلاقی قوانین کو زندگی میں رائج کر کے علمی ومعاشرتی بلندی کا زینہ طے کیا جاتا ہے سائنسی ترجیحات و توجیحات کو بحث ومباحثہ کے لیے منتخب کر کے اتمام حجت کا رنگ قائم رکھا جاتا ہے اور ان اصولوں کو معاشرے کے لیے قابلِ عمل بنانے کے لیے جمہوری چلن کو سربلند کیا جاتا ہے۔ اسی لیے وہاں جدت اور قدامت توازن کے عمل سے گزرتی ہیں لیکن جن معاشروں میں جدت کو اوڑھ کر قدامت کو یاد کرنے کا رواج ہو وہ محض مداری کا وہ سبق ہوتا ہے جس کا اختتام پھیلے ہوئے ہاتھ پر رکھی ہوئی بھیک ہوتی ہے۔

***

کپڑا پھٹے تے لگن تروپے دل پھٹے کس سینا۔۔۔ سجنا بعد محمد بخشا کی مرنا کی جینا (میاں محمد بخش) دل کی دنیا کے دستور عام زندگی سے مختلف ہوتے ہیں

جہاں پر دوست کی ذات اتنی اہمیت کی حامل ہوتی ہے کہ چھوٹی سی تکلیف پر یہ یقین ہوتا ہے کہ اس کی آواز اور جھلک اس درد کا مداوا بن جائے گی لیکن جب دوست نہ رہے تو زندگی کے لباس کو سینے والا کوئی نہیں رہتا۔ اداسی اور تنہائی کا سانپ زندگی کی رگوں سے خوشی کا خون نچوڑ لیتا ہے کیوں کہ زندگی دوستوں سے ہوتی ہے اور دوست زندگی کی علامت ہوتے ہیں اس لیے اگر وہ نہ ہوں تو موت اور زندگی کا فرق ختم ہوجاتا ہے اور جب یہ فرق ختم ہوجائے تو کسی بھی طبیب سے مرض کا علاج نہیں ہوسکتا۔

***

کامیابی کا تعلق پیسوں کے ڈھیر سے نہیں ہے اور نہ ہی شہرت کا وہ حصول ہے جو آنکھ سے سکون کے لمحات کو غارت کردیتا ہے۔ اصل میں ہر انسان کی سوچ کا پیمانہ ہی اس کی کامیابی کا تعین کرتا ہے۔ اگر کسی کے ہاں بڑی گاڑی اور رتبہ کامیابی ہے تو کسی کو نوکری اور خواب کی تکمیل کامیابی کا نشان لگتی ہے۔ حقیقت میں نہ ہی بڑی گاڑی اور نہ ہی بڑا امکان کامیابی ہے بلکہ کامیابی وہ سکون ہے جو کام میں ایمان کا جذبہ پیدا کر کے خلقت کو دعا کے لیے ہاتھ اُٹھانے پر مجبور کردیتا ہے۔ کامیابی ایماندار مزدور کی وہ نیند ہے جس کا سرا رزقِ حلال سے جڑا ہے اور ممکن ہے یہ نیند اس بدعنوان سرمایہ دار سے روٹھی ہو جس کی دولت ہی اس کی کامیابی ہے۔

***

بعض اوقات زندگی کے دھارے میں بدخصلت لوگ شامل ہوجاتے ہیں۔ ان کی شمولیت حادثاتی ہو یا انتخابی ہو دونوں صورتوں میں دل کے داغ ہمیشہ روشن رہتے ہیں ایسے لوگ منافقت کے سب سے اونچے درجے پر فائز ہوکر دعووں اور وعدوں کی پشت میں خنجر گھونپنے کا فن جانتے ہیں ایسے اشخاص جب دوستی سے دشمنی پر اُترتے ہیں تو سب سے پہلے عزت پر تاک تاک کے حملے کرتے ہیں۔ خلوت میں ہم نشینی کے دور کا ذکر نفرت اور بدتہذیبی سے کرتے ہوئے کمینگی کی آخری حد تک چلے جاتے ہیں کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو دوستی مطلب سے اور دشمنی بری خصلت سے کرتے ہیں۔ اس لیے کمینے کی دوستی سے تنہائی بہتر ہے۔

***

دنیا میں سیاست سے لگاؤ اور اس کے رُموز کو سمجھنا بحث کرنا، درست آدمی کو ووٹ کی کوشش اور رائے کا اظہار کرنا سیاسیات کہلاتا ہے لیکن ہمارے ہاں اپنے لیڈر کا دفاع کرنا، اپنی پارٹی کی خاطر گالی گلوچ کرنا، لوگوں کو بزورِ بازو مائل کرنا کہ ہم سچے ہیں بریانی کی خاطر جلسوں میں شرکت کرنا اور ووٹ خریدنے میں مدد کرنا سیاست کہلاتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں سیاسیات اور سیاست کی اصطلاحات اس طرح گڈمڈ ہوئی ہیں جیسے جھیل کے شفاف پانی میں جوہڑ کا پانی شامل ہوجاتا ہے شاید اسی لیے نہ تو ہمیں سیاست کی درست سمت کا علم ہے اور نہ ہی ہم سیاسیات کو محدود دائرے سے باہر نکالنا چاہتے ہیں کیونکہ دائروی سفر ہمارا محبوب مشغلہ ہے۔

مرزا محمد علی انجینئر
بغیر پرچی کے بولنے والا صاحب علم بہادر نیچرل لیڈر
ایک تجزیہ

کچھ تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ کئی مذہبی گروہوں کے لوگ انجینئر محمد علی مرزا سے متاثر ہورہے ہیں کہ وہ کسی کی لکھی ہوئی پرچی نہیں پڑھتا بلکہ خود اپنے ذہن سے ٹھوک بجا کر بولتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ کوئی ذاتی علم رکھنے والا بول رہا ہے نہ کہ رٹو طوطا بول وہ رہا ہے کہ جسے جو لکھ کر دیا جاتا ہے وہ بولتا ہے اور لوگ اس کی ایسی مصنوعی تقریر سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور اس میں دلچسپی نہیں لیتے اور نہ اس کے اپنے لوگ اور نہ غیر اس کی بات یا تقریر دلچسپی سے سنتے ہیں۔ ان تجزیہ نگاروں کے مطابق کئی مذہبی گروہوں کے لوگ انجینئر محمد علی مرزا سے کچھ اختلافات رکھنے کے باوجود اسے اس وقت اسلامی دنیا کا بہترین لیڈر قرار دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہم چند باتوں کے علاوہ دل سے اس کی بیعت کرتے ہیں اور اس کے دلی مرید ہیں کیوں کہ انہیں وہ ایک نیچرل بات کرنے والا علمی شخص لگتا ہے جو لوگوں سے دین کے چندوں کے نام پر مال نہیں مانگتا اور نہ ہی اپنا الگ گروہ بنا کر دکانداری کر رہا ہے کہ نہ اس کے اپنے گروہ والے اس کا احتساب کرسکیں اور نہ باہر والے کہ دین کے نام پر اکٹھا کیا ہوا مال کہاں جاتا ہے بلکہ انجینئر محمد علی اس سوشل میڈیا کے زمانہ میں ایک چھوٹی سی جگہ پر بیٹھ کر بغیر بہت بڑا خرچہ کرکے حالات کے مطابق اپنی محفل سجاتا ہے اور پھر اسے سوشل میڈیا پر ڈال دیتا ہے اور پیروں فقیروں کے گدی نشینوں کو لوگ اتنا نہیں سنتے جتنا پوری دنیا میں مرزا محمد علی انجینئر کی ویڈیو دیکھی جاتی ہے اور اس کا پیغام زمین کے کناروں تک سنا جاتا ہے۔ ***

پیرس میں پاکستانی کمیونٹی کے ساتھ عید ملن وعشائیہ

رپورٹ: ممتاز ملک ۔ پیرس ۔ فرانس

فرانس کے دارالحکومت پیرس میں 29 اپریل 2023ء بروز ہفتہ شام ساڑھے سات بجے سفیر پاکستان جناب افتخار عاصم صاحب نے پاکستانی کمیونٹی کو عید ملن عشائیے پر سفارتخانے مدعو کیا۔جس میں پاکستانی کمیونٹی کے ہر طبقے اور ہر سیاسی و مذہبی جماعت کے افراد نے بھرپور شرکت کی۔سفیر پاکستان نے مہمانوں کو خوش آمدید کہنے سے خدا حافظ کہنے تک اپنی موجودگی کو یقینی بنایا۔نہایت خوش دلی اور خندہ پیشانی کیساتھ ہر فرد سے ملاقات کی اسکی خیریت پوچھی اورانہیں یقین دہانی کروائی کہ وہ جب چاہیں ان سے رابطہ کر سکتے ہیں۔اپنے مسائل سے آگاہ کر سکتے ہیں اور کوئی بھی مشکل ہو انہیں پکار سکتے ہیں۔یقین مانیئے غالب اقبال صاحب کے بعد آج دل نے کہا کہ لگتا ہے بندہ اچھا ہے مخلص ہے، ایماندار ہے اور اپنے ملک سے پیار کرنے والا لگتا ہے۔بیگم صاحبہ بھی بہت مہربان اور نفیس خاتون لگیں۔دانیال عزیز صاحب اور احسان کریم صاحب نے سفیر پاکستان کے نائبین کے طور پر مہمانوں کو بہت مطمئن اور آسودہ ماحول فراہم کیا۔مہمانوں کی تواضع بہترین کھانوں سے کی گئی۔جہاں خوش کن اعلان خود سفیر پاکستان نے کیا کہ پہلے خواتین جا کر کھانا لیکر اپنی نشست پر براجمان ہو جائیں تب مرد حضرات اپنے نشستوں سے اٹھیں۔دل خوش ہو گیا ہمارا تو۔ یہ اعلان تو ہر تقریب میں ہونا چاہیئے کہ خواتین اور بچے سب سے پہلے کھانا لے سکیں کیونکہ خواتین کو اپنی ملبوسات بیگز اور بچے سب سنبھالنا ہوتا ہے اس پر اگر بچے چھوٹے ہوں تو انکو سنبھالنا، سب آسان نہیں ہوتا۔وہ پہلے فارغ ہو جائیں تو محفل میں بھی سکون رہتا ہے۔بہرحال جہاں تک ہمیں ایمبیسی کے پروگراموں میں شریک ہونے کا موقع ملا ہے یا رپورٹس دیکھی ہیں، اسکے مطابق اس سے قبل اتنی بڑی تعداد میں پاکستانیوں نے کبھی بھی ایمبیسی کے پروگراموں میں شرکت نہیں کی۔اس کی وجہ شاید ہمارا ایمبیسی سے بار بار کا مطالبہ بھی ہو کہ پروگرام شام کے وقت اور چھٹی کے روز رکھا جائے۔تاکہ لوگ سہولت کیساتھ اس میں شرکت کر سکیں۔اس بار ہفتے کی شام یہ پروگرام رکھ کر ہمارا مطالبہ پورا کرنے پر ہم سب لوگ سفیر پاکستان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔اوراس کے نتیجے میں پروگرام کی رونق اور خوشی اس بات کا ثبوت ہے کہ ایسا ہی ہونا چاہیئے۔سفیر پاکستان اور سفارتخانے کے تمام عملے کو یہ خوبصورت تقریب منعقد کرنے پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارکباد۔

SARMAD GLOBAL

CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK

TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002

E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM

WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM

CELL +44 (0) 7903 416966

SHARIF

JEWELLERS

TIMELESS JEWELS, PRICELESS MEMORIES

28 London Road, Morden. SM4 5BQ London

@sharifjewellers +44 7888 300 399

grillculturemorden@gmail.com

GRILL CULTURE EID MENU

Grill Culture

PiPaSa

PRE-ORDER BEFORE 18TH APRIL 2023

(AVAILABLE FOR EID DAY AND THE FOLLOWING DAY)

MENU

PRICES ARE FOR ONE PORTION

EID SPECIAL

Haleem	£5.99
Mutton Korma	£6.50
Chicken Korma	£3.50
Mutton Pilao	£3.99
Chicken Pilao	£3.50
Chicken Roast	£1.50

PIZZA & DONER

	15"	24"
Doner Pizza	£8.99	£17.99
Chicken Tikka Pizza	£8.99	£17.99
Vegetarian Pizza	£7.99	£16.99
Chicken Doner (reg.)	£4.99	-
Beef Doner (reg.)	£5.99	-

BBQ GRILL

Chicken Leg Piece	£2.00
Seekh Kebab (2 pcs)	£3.99
Peri Peri (Half)	£4.99
Peri Peri (Full)	£9.99

SWEETS & SHAKES

Kheer	£2.50
Zarda	£2.50
Milkshakes (Mango/ Oreo/ Lotus)	£4.99

- BOOKING IS WITH 50% ADVANCE
- SPECIAL OFFERS: *15 PORTIONS AND ABOVE*
- FAMILY DEALS AVAILABLE
- COLLECTION ONLY
- DELIVERY (CHARGED)

63 St Helier Ave, Morden, SM4 6HY 07876504304/ 07886026149

TRANSLATIONS

ENGLISH - URDU

ATA TAHIR

DPSI ENGLISH LAW

IOLET DIPLOMA IN PUBLIC SERVICE

Interpreting Urdu-English Law

07818210181

atatahir@hotmail.com

HEATING LTD.

24/7 EMERGENCY SERVICE

Domestic & Commercial

Contact: 07722 222 965

www.247breakdownsolution.co.uk

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دابراڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون:02085 401 666، فیکس02085 430 534
ای میل:law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون:02085 401 666، فیکس02085 430 534
ای میل:law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے
تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس
اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- ویزا میں تبدیلی
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- یورپین قانون
- اوورسٹیئرز
- جوڈیشل ریویو
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ٹرائبیونل اپیل
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ورک پرمٹ
- سٹوڈنٹس اپیل

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)